خلاصہ تحفۃ النظار

یعنی

سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ

از جناب مولوی عبدالرحمٰن خانصاحب
صدر حیدرآباد اکاڈمی

مکتبہ برہان جامع مسجد دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

خلاصۂ تحفۃ النظّار

یعنی

سفرنامۂ شیخ ابنِ بطوطہ

از

جناب مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب

صدر حیدرآباد اکاڈیمی

مکتبۂ برہان جامع مسجد دہلی ۶

طبع دوم

ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۱ھ مطابق جنوری ۱۹۷۲ء

قیمت مجلد ———— Rs. 9/- روپے

تعداد طباعت ———— ایک ہزار

مطبوعہ

(جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۶)

فہرستِ مضامین

خلاصہ تحفۃ النظار شیخ ابنِ بطوطہ معہ تنقید و مختصر تاریخی تبصرہ

کتاب دوم

مقدمہ

ابنِ بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسلمان سیاح ہے جس نے اپنی عُمر کے چھبیس۲۶ سال مشرق و مغرب کی سیاحت میں بسر کئے۔ وہ مختلف علوم و فنون میں دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ نگاہ بھی دوربین رکھتا تھا اس لئے وہ جہاں کہیں گیا وہاں کے سیاسی، سماجی، علمی اور ادبی حالات کا مطالعہ بڑی دقیقہ رسی کے ساتھ کیا۔ وہ کہیں بادشاہوں کے دربار میں اعزاز و اکرام کی کسی بڑی کرسی پر نظر آتا ہے تو کبھی صوفیائے کرام کی مجلسِ وجد و حال میں شریک دیکھا جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کا سفرنامہ جہاں بے حد دلچسپ اور دلآویز ہے، نایاب و بیش قیمت معلومات کا گنجینہ بھی ہے۔ ان میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جو کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ خوش قسمتی سے اس سفرنامہ کے خلاصہ کو اردو زبان میں منتقل کرنے کا خیال ہمارے ملک کے مشہور فاضل جناب مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب۔ سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ و صدر حیدرآباد اکاڈیمی کو پیدا ہوا اور آپ نے چند در چند علمی مشاغل کے باوصف اس خیال کو چند دِنوں کی محنت میں ہی علمی شکل میں منتقل کر دیا۔ اردو ترجمہ

کے علاوہ جناب موصوف نے تمہید میں سفرنامہ کے اسلامی عہد اور اس کے تاریخی اور سیاسی پس منظر پر جو کلام کیا ہے اس نے سفرنامہ پر تبصرہ و تنقید کے ساتھ مل کر کتاب کی افادی حیثیت کو دوچند کر دیا ہے ۔

ستمبر ۴۷ء کے اوائل میں جب دہلی میں فساد ہوا اور ندوۃ المصنفین کو شدید مالی خسارہ برداشت کرنا پڑا اس وقت اس کتاب کا مسودہ کاتب کے پاس تھا اور اس کی کتابت ہو رہی تھی کاتب صاحب دفتر برہان سے کافی دور ایک ایسے محلہ میں رہتے ہیں جو فساد کی تباہ انگیزیوں سے محفوظ رہ گیا ہے اس بنا پر خوش نصیبی سے فاضل مترجم کی یہ محنت ضائع ہونے سے بچ گئی اور اب مقامی حالات کے بہتر ہونے پر ہم اس کی اشاعت کے قابل ہو سکے ہیں۔ امید ہے اربابِ ذوق اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں گے ۔

عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین دہلی
یکم جنوری ۱۹۴۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلاصۂ تحفۃ النظار شیخ ابن بطوطہ

معہ تنقید و مختصر تاریخی تبصرہ

موجودہ دنیائے اسلام، مسلم حکمائے قرون وسطیٰ کی علمی تحقیقات کی طرح مسلمان سیاحوں کے حالات سفر سے بھی بہت کم واقف ہے۔ انگریزی تعلیم کی بدولت مدرسہ کا ہر بچہ وینس (VENICE) کے پولو (POLO) خاندان (نکولو، مافیو اور مارکو) کے سفروں سے بخوبی آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ مارکو پولو اپنے باپ اور چچا کے ہمراہ ۱۲۷۱ء میں وینس سے منگولستان اور چین کو روانہ ہوا۔ صحرائے گوبی کو طے کر کے خان بالق (پیکن)، پایۂ تخت منگول خاقان چین قوبلائی خاں کے دربار میں ۱۲۷۵ء کے قریب باریاب ہوا اور مختلف انتظامی اور سیاسی خدمات بجا لا کر بالآخر ۱۲۹۲ء میں وطن واپس جانے کی اجازت حاصل کی۔

بندرگاہ زیتون (TSEITHUNG) سے جہاز پر سوار ہوا۔ تو اس کے ساتھ ارغون خاں ایلخان فارس کے لئے خاقان کی طرف سے ایک منگولی دولہن بھی روانہ کی گئی۔ جاوا سوماترا ہوتے ہوئے بندرگاہ ہرمز پہنچا اور پھر خشکی کے راستہ سے طرابزون (TREBIZOND) اور قسطنطنیہ گیا اور بالآخر ۱۲۹۵ء کے اختتام پر وینس واپس ہوا لیکن افسوس ہے کہ مارکوپولو سے پہلے (اور خود اس کے زمانۂ سفر چین میں) عرب سیاحوں نے اس وقت کی دنیا کے جو طویل بری و بحری سفر کئے ہیں ان کا علم طلبا کو تو کیا اساتذہ کو بھی کم نصیب ہے۔

ابوالقاسم محمد بن حوقل بغدادی (زمانہ ۹۴۳ء تا ۹۷۷ء) نے رمضان ۳۳۱ھ مطابق مئی ۹۴۳ء میں بشوق جہاں بینی و تجارت بغداد سے نکل کر مشرق سے مغرب تک کی تمام اسلامی دنیا کا سفر کیا۔ وہ مشہور عرب جغرافیہ نویسوں (ابن خرداذبہ، الجیہانی اور قدامہ) کی تصنیفات سے بخوبی واقف تھا۔ ۳۴۰ھ کے قریب الاصطخری سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس کے کہنے پر اس کی کتاب کی نظر ثانی کی اور المسالک و الممالک کے نام سے شائع کیا۔ بعض مستشرقین کا یہ خیال کہ ابن حوقل فاطمی فرماں روایانِ مصر کی طرف سے بلادِ اسلام میں جاسوسی کو نکلا تھا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔

بیت المقدس کے المقدسی سیاح و جغرافیہ نویس نے تمام ممالک اسلام کا باستثناء سپین، سیستان و سندھ سفر کرنے کے بعد اپنا مشہور

کتاب احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم شائع کی۔ تاریخِ اشاعت ۹۸۵ء یا ۹۸۶ء ہے۔

یاقوت بن عبداللہ الحموی (۱۱۷۹ء ۱۲۲۹ء) مصنف معجم البلدان و معجم الادباء نے مخطوطات کی تلاش میں ممالک اسلام کے دور دراز مقامات کا سفر کیا اور ۱۲۱۹ء ۱۲۲۰ء میں چنگیزی تاخت و تاراج سے گھبرا کر خوارزم سے پریشان و بدحواس بھاگا۔

ابوالحسن محمد بن احمد بن جبیر ۱۱۴۵ء میں بمقام بلنسیہ اسپین میں پیدا ہوا۔ شاطبہ میں تعلیم پائی ۱۱۸۳ء اور ۱۱۸۵ء کے مابین غرناطہ سے مکہ معظمہ گیا اور حج کر کے اپنے وطن کو واپس ہوا۔ راستہ میں مصر، العراق، شام اور صقلیہ وغیرہ بھی دیکھا۔ اس کے زمانہ میں شام کے کچھ حصے ہنوز صلیبیوں کے قبضہ میں تھے۔ اس نے ۱۱۸۹ء ۱۱۹۱ء میں بلادِ مشرق کا مکرر سفر کیا، تیسرے سفر میں ۱۲۱۷ء میں اسکندریہ پہنچ کر مر گیا۔ اس کے سفر کے حالات کتاب رحلہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں جس کی پہلے ولیم رائٹ (WILIOMWRIGHT) نے ادارت کی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ایم۔ جے۔ ڈی۔ گوبجے نے ۱۹۰۷ء میں بمقام لائیڈن شائع کیا۔

ابوحامد محمد المازنی نے غرناطہ سے ۱۱۱۴ء ۱۱۱۵ء میں کچھ دنوں کے لئے مصر کا سفر کیا پھر [illegible] میں اسپین سے براہ سردابیر ( ) و صقلیہ دوبارہ مصر گیا۔ ۱۱۲۴ء سے ۱۱۳۰ء تک بغداد میں مقیم رہا۔ ۱۱۳۵ء

سے ۱۱۳۶ء تک بلغاریہ میں بمقام کازان قریب دریائے والگا سکونت اختیار کی ۱۱۴۰ء سے ۱۱۵۰ء تک ہنگری میں رہا ۱۱۶۰ء میں پھر بغداد گیا۔ خراسان اور شام کے مختلف مقامات کی سیر کی۔ ۱۱۶۳ء میں موصل گیا۔ اور بالآخر ۱۱۶۹ء یا ۱۱۷۰ء میں شہر دمشق میں انتقال کیا۔ اس کی ولادت ۱۰۸۰ء یا ۱۰۸۱ء میں واقع ہوئی تھی۔

المازنی سے بھی پہلے احمد بن فضلان بن حماد کو خلیفہ المقتدر نے ۹۲۱ء میں بادشاہ بلغاریہ کے پاس دریائے والگا کے کنارے بطور سفیر روانہ کیا تھا۔ یاقوت نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان میں احمد بن فضلان کے تجربات سے روس کے متعلق بہت معلومات فراہم کئے ہیں۔

ابو العباس احمد بن محمد بن مفرج النباتی اشبیلیہ میں ۱۱۶۵ء یا ۱۱۶۶ء میں پیدا ہوا اور غالباً دہیں ۱۲۳۹ء یا ۱۲۴۰ء میں فوت ہوا۔ علم نباتات کا شیدائی تھا۔ قریب ۱۲۱۶ء میں جب حج کو نکلا تو شمالی افریقہ اور مصر سے بہت سے نباتات فراہم کئے۔ ایوبی سلطان سیف الدین العادل (سلطان صلاح الدین کے بھتیجے) نے اس کو قاہرہ میں اپنے ساتھ رہنے کو کہا لیکن وہ وہاں العادل کی ضرورت کے نباتات مہیا کر کے شام اور عراق چلا گیا تاکہ وہاں ایسے پودے دریافت کرے جو اسپین میں دستیاب نہ ہوتے تھے، اس کے سفر کے حالات کتاب الرحلہ میں درج ہیں۔

ان تمام سیاحوں کے سفر محمد بن عبداللہ بن محمد بن ابراہیم ابوعبداللہ

الطنجی شیخ ابن بطوطہ کے سفروں کے سامنے بدھم پڑھ لیتے ہیں۔ وہ ۱۴رجب ۷۰۳ھ مطابق ۲۴ رفروری ۱۳۰۴ء کو مراکش میں بمقام طولنس (TANCIEA) پیدا ہوا۔ ۲۱ رسال کی عمر میں حج بیت اللہ کے ارادہ سے اپنے والدین کو چھوڑ کر ۷۲۵ھ (۱۳۲۵ء) میں شمالی افریقہ کے خشکی کے راستہ مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوا۔ قبل اس کے کہ ابن بطوطہ کے ۲۴ سالہ سفر مشرق اور پھر کچھ وقفہ کے بعد دوسالہ سفر مغربی افریقہ (کالوں کا ملک) کا بیان شروع کیا جائے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے چودھویں صدی عیسوی کی دنیائے اسلام کا خاکہ پیش کیا جائے تاکہ سفر کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو۔

آنحضرت صلعم کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ ۸ رجون ۶۳۲ء کو واقع ہوئی۔ اس کے ایک سو سال کے اندر مسلمان عربوں کی حکومت بیں روما کی انتہائی حکومت سے بڑھ گئی۔ مغرب و مشرق میں خلیج بسکے (BISCAY) اور بحر ظلمات سے دریائے سندھ اور چین کی سرحد تک (شمالی حصہ افریقہ کو لئے ہوئے) پھیلی ہوئی تھی اور شمال و جنوب میں بحیرۂ ایرل (ARAL) سے دریائے نیل کے بالائی آبشاروں تک ہے۔

عہد بنی امیہ کے اختتام سے پہلے عرب مغرب کی طرف اسپین اور فرانس میں بھی داخل ہو گئے تھے اور مشرق کی طرف سمرقند کے شمال مشرق میں اسفند تک پہنچ گئے تھے۔

چودھویں صدی میں اسلامی حکومت مغرب کی طرف سے ٹوٹ رہی

تھی۔ اسپین کے بنی امیہ حکمران ۷۵۶ء سے ۹۷۶ء (تاریخ وفات الحکم ثانی بن عبدالرحمن ثالث) تک جاہ و جلال کے ساتھ علم و ہنر کی پرورش کرتے رہے لیکن بعد کو زوال شروع ہوا اور بالآخر ۱۰۳۱ء میں ان کی حکومت ختم ہو گئی طوائف الملوکی کے بعد مراکش کے خاندان المرابطین پھر الموحدین حکمران رہے۔ بعد کو وہ بھی دنیا سے گذر گئے پھر نصری خاندان نے ۱۲۳۲ء سے اسپین میں بحیثیت عیسائی بادشاہوں کے باجگزار کے ۱۴۹۲ء تک غرناطہ کو سنبھالے رکھا۔ بالآخر عیسائی تعصب نے اس چراغ علم کو بھی بجھا دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں مسلمان اسپین سے آہستہ آہستہ نکالے جا رہے تھے۔ بحر وسط الارض (میڈیٹیرینین) پر اگرچہ ۶۵۲ء میں بھی عربوں نے بازنطینی بحریہ کی اسکندریہ کے پاس سرکوبی کر کے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا اور نویں صدی میں قیروان سے اغلبیوں نے صقلیہ پر چھاپے مارنا شروع کیا تھا۔ اس جزیرہ پر قبضہ ۸۲۷ء سے شروع ہوا۔ بندرگاہ بلرم (BALERMO) ۸۳۱ء میں فتح ہوئی جس کی اسلامی نقطۂ نظر سے مرفہ الحالی کا ذکر سب سے پہلے ابن حوقل نے کیا۔ ۹۰۲ء میں پورے جزیرہ پر قبضہ ہو گیا۔

۹۴۷ء میں فاطمی بادشاہ المنصور نے اپنی طرف سے الکلبی (تاریخ وفات ۹۶۵ء) کو صقلیہ کا گورنر مقرر کیا۔ بالآخر ہسپانی اور افریقی فرقہ بندیوں اور باہمی تنازع کے باعث صقلیہ میں مسلمانوں کی قوت گھٹ گئی۔ اور نارمن کا دیرینہ روجر اول (ROGER) کرید ڈی بیوٹویل کے

بیٹے نے ۱۰۶۰ء میں ان سے مسینا چھین لیا۔ ۱۰۷۱ء میں بلرم اور ۱۰۸۵ء میں سرقوسہ (SYRACUSA) اور ۱۰۹۱ء تک سارا جزیرہ مسلمانوں کے دست تصرف سے نکل گیا۔ اس سے ایک سال پہلے روجر نے مالٹا بھی فتح کرلیا تھا۔ بدیں وجہ میڈیٹرینین پر مسلمانوں کا تصرف بالکل برخاست ہوگیا تاہم اسپین وصقلیہ کی تلافی مشرق میں ہند اور جزائر ملیشیہ (MALAYSIA) کی فتوحات سے ہوئی۔ فاطمی خاندان ۹۰۹ء میں اغلبیوں کو قیروان سے نکال کر خود مصر پر قابض ہوگیا۔ پہلا حکمران عبداللہ المہدی تھا۔ آخری العاضد جس کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۷۱ء میں معزول کرکے فاطمی حکومت کو ختم کردیا۔

ایشیائے کوچک میں سلجوقی ترک پہلے ۱۰۷۰ء میں داخل ہوئے۔ الپ ارسلان کا سپہ سالار آتسیز نے یروشلم کو فاطمیوں کے قبضۂ تصرف سے نکال لیا۔ لیکن ۱۰۹۸ء تک فاطمی بحریہ نے یروشلم کو پھر فتح کرلیا۔ فلسطین پر مسلمانوں کا تسلط کسی طرح بھی یورپ کے عیسائیوں کو اب جبکہ ان کی قوت بمقابل مسلمانوں کے کسی قدر بڑھتی گئی گوارا نہ تھا۔ یورپ اربن ثانی (URBAN II) کی ۲۶ نومبر ۱۰۹۵ء والی آتش افروز تقریر سے یورپ نے مسلمانوں کیخلاف صلیبی لڑائیاں لڑنا شروع کیا۔ ۱۱۴۴ء تک مسلمان ہارتے رہے۔ اس سال الموصل کے اتابک عماد الدین زنگی نے صلیبیوں سے الرہا چھین لیا۔ اس طرح ایوبی سلطان صلاح الدین (تاریخ ولادت ۱۱۳۸ء بمقام تکریت ووفات ۱۹ فروری ۱۱۹۳ء) اور پھر اس کے ملوک سلاطین مصر رکن الدین بیبرس

اوّل دورِ حکومت ۱۲۶۰ء تا ۱۲۷۷ء) سیف الدین قلاوون (۱۲۷۹ء تا ۱۲۹۰ء) اور بعد کو آخر الذکر کے بیٹے اشرف و ناصر نے صلیبیوں کو بتدریج شام و فلسطین سے باہر نکال دیا۔ ۱۳۰۲ء کے بعد کسی بری مقام پر ان کا قبضہ باقی نہ رہا۔ الناصر محمد بن قلاوون نے تین بار سلطنت کی (۱۲۹۳ء سے ۱۲۹۴ء تک پھر ۱۲۹۸ء سے ۱۳۰۸ء تک اور بالآخر ۱۳۰۹ء سے ۱۳۴۰ء تک پہلی مرتبہ جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف نو سال کی تھی۔ ابن بطوطہ کے سفروں میں کئی جگہ الملک الناصر محمد کا ذکر آیا ہے۔ جس وقت ابن بطوطہ ایشیائے کوچک میں سفر کر رہا تھا اس وقت عثمانی ترک وہاں اپنا سکہ جما کر یورپ پر چڑھائی کرنے کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے عثمان کے بیٹے سلطان اورخان کے ۱۳۲۹ء میں نیقیہ (NIGAEA) فتح کرنے اور اسکو وہاں دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

اس اثناء میں بنی عباس کی حکومت بغداد میں صرف برائے نام رہ گئی خلیفہ دیلمیوں کے پنجہ سے نکل کر کچھ دنوں سلجوقیوں کے سایۂ عاطفت میں امن کی زندگی بسر کر سکا۔ جب آدمیوں نے تکش کی سرکردگی میں عراق عجم کے سلجوقیوں کو ۱۱۹۴ء میں شکست دی تو اس کے بیٹے سلطان علاء الدین محمد نے (۱۲۰۰ء تا ۱۲۲۰ء) ایران، بخارا، سمرقند اور پھر غزنی کو فتح کر کے (۱۲۱۴ء) خلافت بغداد کا خاتمہ ہی کرنا چاہا تھا کہ اس پر چنگیز خان تاتاری لشکر کیساتھ مثل بلائے آسمانی نازل ہوا۔ اس کے راستہ میں مشرقی بلاد اسلام (ہرات بخارا سمرقند) سب نذر آتش ہو گئے۔ علاء الدین کو بھاگ کر (بحیرۂ

کیسپین) کے ایک جزیرہ میں پناہ لینی پڑی۔ اس طرح چند سال کے لئے بغداد کی خلافت بچ گئی۔ لیکن ۱۲۵۸ء میں چنگیز کے پوتے ہلاکو نے بالآخر بغداد کو بھی تباہ و تاراج کر دیا۔ ابن بطوطہ ان تمام ویران شہروں سے گذرا اور اس نے ان کی بربادی کا تذکرہ کیا ہے۔ تاتاری صلیبیوں کے ساتھ مل کر شام اور مصر کو بھی کھنڈر بنا دیتے۔ خوش قسمتی سے صلاح الدین کے مملوک جانشینوں نے اس کی مدافعت کی اس لئے ان ممالک میں اسلامی تہذیب و تمدن ان کے دست برد سے بچ گئے چند سال بعد ۱۲۹۵ء میں ایلخان فارس غازان محمود عیسائیوں کے پھندے سے نکل کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے جانشینوں (اولجائتو خدابندہ ۱۳۰۵ء۔ ۱۳۱۶ء اور ابوسعید ۱۳۱۶ء۔ ۱۳۳۵ء) کے زمانہ میں عراق و ایران دوبارہ خوش حال ہونے لگے۔ لیکن یہ کیفیت صرف چند ہی سال رہی۔

ابن بطوطہ جب ۱۳۲۶ء میں رخت سفر باندھ کر گھر سے نکلا ہے تو ممالک اسلام امن کی حالت میں عود کر گئے تھے۔ سیر و سیاحت آسان ہو گئی تھی خوش نصیب نوجوان سلطان مصر کی حکومت اسوان سے کلیسیہ کی سرحد تک نافذ تھی۔ صلیبی دفع ہو گئے تھے۔ الملک الناصر محمد نے ۱۳۰۳ء میں بمقام دمشق تاتاریوں پر نمایاں فتح حاصل کر کے ان کا زور توڑ دیا۔ شمال اور شمال مشرق میں سنہری آرڈو کے خانوں اور چغتائی منگول سرداروں کے مابین تعلقات دوستانہ تھے۔ مملوک سلاطین کی حکومت فوجی سرداروں کی خون آلود حکومت تھی۔ تاہم ملک کی اندرونی حالت نسبتاً بہت اچھی

تھی رعایا خوش حال تھی۔ ہندوستان کی ساری تجارت مصریوں کے ہاتھ آجانے سے ملک بہت متمول ہوگیا تھا۔ شہر بڑی شاندار عمارتوں، مساجد، مدارس اور بیمارستان وغیرہ سے آراستہ تھے۔ شام و حجاز کے علاوہ مصر کی حکومت نوبیہ (NUBIA) اناطولیہ اور کچھ دنوں کے لئے مغرب میں طرابلس (طرابلس) تک پھیلی ہوئی تھی۔

ہندوستان میں قطب الدین ایبک نے دہلی پر ۱۲۰۶ء سے ۱۲۱۱ء تک حکومت کی۔ اس کے جانشین سلجوقیوں اور مملوک سلاطین کی طرح اپنے مقبوضات کے سابقہ اسلامی تمدنوں کے اختلاف اور طوائف الملوکی کے طبعی ذوق نے بعد کو آنے والے حکمران خاندانوں کو باہمد گر جنگ و جدل ہی میں مصروف رکھا اگرچہ چند روشن خیال بادشاہوں نے اسلامی روایات اور رواداری کو سنبھال لیا، اور اپنی بساط کے مطابق کچھ نمایاں کام کر گئے۔ جیسے سلطان التمش ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء) جس نے دہلی میں قطب الدین کی نامکمل عمارتوں کی تکمیل اور علاء الدین خلجی ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۵ء) جس نے مغل غارت گروں کے دست برد سے ملک کو کئی مرتبہ بچایا اور دہلی کو بعض نئی شاندار عمارتوں سے آراستہ کیا۔ چودھویں صدی میں دہلی کے تخت پر غیاث الدین تغلق ۱۳۲۱ء میں فائز ہوا اور بنگالہ اور دکن کو بھی اپنا مطیع بنایا۔ اس کے بیٹے جونا، سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۵ء میں اپنے باپ کو قتل کر دیا اور خود تخت نشین ہوا اگرچہ اس کی حکومت عموماً جابرانہ تھی۔ جس کی وجہ سے آئے دن ملک میں فساد برپا رہتا تھا۔ تاہم ممالک غیر کے سیاحوں اور سوداگروں،

کے ساتھ اس کا سلوک فیاضانہ تھا۔ اس لئے باوجود گھریلو صنعتوں کی تباہی کے ملک میں تجارت ترقی پر تھی۔ ابن بطوطہ سلطان محمد تغلق کے طرز حکومت سے بخوبی واقف تھا اور اپنے سفر کے بیان میں اس کی سیرۃ اور طریقۂ حکمرانی کی صحیح تنقید کرتا ہے۔ اس بادشاہ کے مرنے سے پہلے ہی بنگالہ، دکن اور ملیبار، دہلی کی مرکزی حکومت سے منقطع ہو گئے اگرچہ اس کے جانشین اور عموزاد بھائی فیروز شاہ (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) نے بڑی فراست اور روشن خیالی کے ساتھ حکومت کی لیکن سلطنت کا شیرازہ بالکل بکھر گیا۔

منگول ایلخانان فارس کے ۱۳۳۶ء میں ختم ہونے پر عراق اور ایران کی حالت جو ذرا سنبھلی تھی پھر خراب ہو گئی۔ آئے دن لڑائی جھگڑے ہونے سے رعایا کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے ملک ویران ہو چلے۔ اسی طرح کی تباہی بلاد مغرب میں بھی پیدا ہو گئی۔ شمالی مغربی افریقہ جو بارہویں صدی عیسوی میں اسپین کے ساتھ المرابطین اور الموحدین کے زیر سرپرستی ایک رشتہ میں مربوط تھا۔ تیرھویں صدی میں تین خاندانوں میں تقسیم ہو گیا۔ انتہائی مغرب یعنی مراکش میں مرینی خاندان حکمران تھا، وسطی مغرب میں زیانی خاندان تلمسان کو پایۂ تخت بنائے ہوئے تھا۔ تونس پر حفصی خاندان مسلط تھا۔ ان کو نہ صرف خانہ بدوش صحرائی عربوں اور بربروں سے برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ ان ممالک کے دیرینہ روایات کے بموجب حکمران خاندان کا ہر فرد بشر رشتہ داری

کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ صرف ریاست میں حصہ دار بلکہ حقیقی مستحق فرمانروائی سمجھتا تھا۔ جس کی وجہ سے کشت و خون اور فتنہ و فساد کا بازار ہمیشہ گرم رہتا تھا۔ حفصی خاندان نے اگرچہ ۱۲۷۰ء میں لوئی نہم بادشاہ فرانس کے آخری صلیبی حملہ کو بری طرح پسپا کیا۔ (جس میں لوئی بھی مرگیا)، مگر بیس ہی برس کے بعد جربا کو صقلیہ کے عیسائیوں کے حوالے کرنا پڑا جس کی واپسی ایک عرصہ کے بعد (۱۳۳۴ء) میں نیپلز اور جے نورا کی مدد سے ہو سکی۔

مرینی خاندان مراکش سلطان ابوالحسن (۱۳۳۱ء تا ۱۳۴۸ء) اور اسکے بیٹے ابو عنان (۱۳۴۸ء تا ۱۳۵۸ء) کے زمانہ میں اپنے عروج کے انتہائی زینہ پر پہنچا۔ ابن بطوطہ ان دونوں سلطانوں کی رعایا سے تھا۔ ان کا بڑی عقیدتمندی سے ذکر کرتا ہے۔ ابوالحسن نے شمال مغربی افریقہ میں سجلماسہ اور تلمسان فتح کیا اور باوجود عیسائی بادشاہ قسطیلیہ ادفونس (الفونسو یازدہم) سے قریب طریفہ اسپین میں (۱۳۴۰ء میں) بری طرح شکست پانیکے جبل الطارق کو عیسائیوں سے بچالیا۔ اور ۱۳۴۷ء میں تونس کو بھی فتح کرلیا۔ لیکن صرف ایک ہی سال تک اس پر قابض رہا۔ اس کے بعد افسوس ہے کہ خود اس کے بیٹے ابو عنان نے بغاوت کر کے اس کو تخت سے معزول کردیا۔ اس زمانہ میں وبا شدت سے پھیلی ہوئی تھی چنانچہ ۱۳۵۰ء میں الفونسو یازدہم بھی اس مرض میں مبتلا ہو کر مرگیا۔ ابو عنان نے تلمسان کو مکرر فتح کیا اور ۱۳۵۷ء میں تونس میں دوبارہ داخل ہوا۔ لیکن فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وہ جب اپنے پایۂ تخت فاس (FEZ) کو واپس ہوا تو اس کا

گلا گھونٹ کر مار دیا۔ اس کے بعد طوائف الملوکی شروع ہو گئی۔ بر ایں ہمہ مراکش کے شہر اور وہاں کی رعایا نسبتاً مرفہ الحال ہی رہی۔

ابن بطوطہ کے حالات سفر میں ان واقعات کا اپنی جگہوں پر حسب ضرورت ذکر آتا ہے۔ چونکہ اس نے بحرۂ وسط الارض (میڈیٹرینین) کے سفر (اسلامی بحری قوت کے زوال کے بعد) عیسائی جہازوں میں کئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ باوجود شدید مذہبی اختلافات کے مسلمانوں کی رواداری اور خوش معاملت کی وجہ سے مسلم اور عیسائی عوام الناس کے آپس کے مراسم خوش گوار تھے۔ ایک اور بات ان سفروں سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے وہ مسلمان تاجروں، سیاحوں اور سب سے بڑھ کر صوفیوں اور مذہبی پیشواؤں کی اولوالعزمی ہے جو ان کو ساری دنیا پر پھیلا رہی تھی ان کی مہمان نوازی اور اخوتِ اسلامی (زکوٰۃ کے صحیح مصرف سے) اسلامی ممالک کے باہر بھی مسلمانوں کے آرام و آسائش مہیا کرتی تھی۔ ہر شہر میں خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت میں ہو یا اس سے باہر ایک قاضی اور شیخ الاسلام منتخب ہوتا تھا جو مسلمانوں کی تنظیم و فرائض مذہبی کی انجام دہی میں ذمہ داری کے ساتھ ممد و معاون ہوا کرتا تھا۔ تجارت اور سیاحت کا یہ عالم تھا کہ سبتہ کا ایک نوجوان قوام الدین البشری نے دہلی میں شاہی مہمان کی حیثیت سے رہنا پسند نہیں کیا۔ چین میں قنجنفو (QANJANFU) پہنچ کر تجارت سے بے شمار مال و دولت حاصل کرتا ہے۔ اور ابن بطوطہ کی دعوت کر کے کہتا ہے کہ میرا ایک بھائی سجلماسہ (SIJILMASA)

میں مراکش کے جنوبی علاقہ میں مقیم ہے۔ وطن واپس جاؤ تو اس کو میرا سلام پہنچاؤ۔ کہاں چین کہاں مراکش اور پھر ذریعہ سفر بادبانی چھوٹے جہاز۔ ابن بطوطہ بھی ۱۳۵۲ء میں سجلماسہ پہنچ کر ابو محمد البشری سے ملتا ہے اسکو بڑا عالم پاتا ہے۔ اس کے پاس کچھ دنوں مہمان رہتا ہے اور اسکے بھائی کا پیغام پہنچاتا ہے۔

دنیائے اسلام خصوصاً شام و مصر و شمالی افریقہ پہ یورپ کی طرح ۱۳۴۸ء میں طاعون (سیاہ موت) (BLACK DEATH) کا بڑا ہی مہلک حملہ ہوا لاکھوں آدمی محض چندروزہ علالت میں مر گئے (یہاں پہ بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ نصری سلطان غرناطہ کے وزیر حکیم لسان الدین ابن الخطیب (۱۳۱۳ء - ۱۳۷۴ء) نے اس مرض کے متعدی ہونے کے ثبوت اور اس کے علاج میں جو کتاب مقنعات السائل من المرض الہائل لکھی ہے۔ اس کو ایم۔ جے مُلر نے ترجمہ کے ساتھ میونچ (MUNICH) میں ۱۸۶۳ء میں ایڈیٹ کیا۔ اس زمانہ کے عیسائی حکما ء اس مرض کو بلائے آسمانی سمجھ کر اس کا علاج ہی نہیں کرتے تھے) یہ مرض دوبارہ ۱۳۸۱ء میں رونما ہوا اور مزید لاکھوں جانیں تلف ہوئیں۔ پہلے مرض میں ابن بطوطہ کی ماں اور ابن خلدون کے باپ مر گئے۔ مرض کا دوسرا حملہ پوری طرح ختم نہ ہوا کہ تیمور لنگ نے عذاب الہٰی کی طرح عراق و شام اور ایشیائے کوچک کی اسلامی ریاستوں کو لوٹنا اور جلانا شروع کیا۔ چنانچہ بغداد پر اس کی طرف سے پھر ۱۳۹۳

میں مصیبت آئی۔ اور دمشق پر ۱۴۰۱ء میں۔ غرض دہلی سے دمشق و سمرقند تک یہی حال رہا

نوٹ :۔ ابن بطوطہ نے جب فاس پہنچ کر ابو عنان کو اپنے حالات سفر سنائے تو اس نے اپنے محرر محمد بن جزی کو ان کو قلمبند کرنے پر متعین کیا۔ "تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار" اسی کا نتیجہ ہے۔ دنیا کا مشہور مورخ ابن خلدون اس زمانہ میں موجود تھا۔ اپنی تصنیف میں اس کا ذکر کرتا ہے۔ کتاب کا پہلا ترجمہ مع ادارت سی ڈیفریمری اور بی آر سینگوئنٹی نے کیا۔ اس کی تیسری اشاعت پیرس میں ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۳ء میں ہوئی۔ اردو میں بھی کئی ترجمے ہوئے ہیں۔ انگریزی میں ایک خلاصہ ایچ۔ اے۔ آر۔ گب (H.A.R. GIBB) نے کیا جس کو جارج روٹلیج کمپنی نے شائع کیا۔ راقم الحروف نے اس کے تنقیدی اشاروں سے استفادہ کیا ہے۔

بعض سائنس سے متعلق واقعات کی تنقید و توضیح کا ذمہ دار بالکلیہ راقم الحروف ہی ہے۔ کتاب کے ساتھ جو نقشے شامل ہیں گب کی کتاب سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان کو راقم کی بہو (زوجہ محمد عبدالمجید خاں) شاہ جہاں بیگم ایم۔ اے (علی گڑھ) نے تیار کیا ہے۔

باب (۱)

محمد بن جزری نے سلطان ابو عنان فارس (سلطان المغرب) کے حکم سے عربی زبان میں ابن بطوطہ کے سفر قلم بند کیے۔ حمد و نعت کے بعد ابن بطوطہ کے ابتدائی حالات قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ طنجہ کا رہنے والا تھا۔ اس کا اصلی نام مغرب میں ابو عبد اللہ محمد تھا، بلاد مشرق میں شمس الدین لقب پایا۔

ابو عبد اللہ محمد ۲ رجب ۷۲۵ھ (مطابق ۱۴ جون ۱۳۲۵ء) کو بائیس ہجری سال کی عمر میں حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کے ارادہ سے اپنے مقام پیدائش طنجہ سے نکلا، دوست احباب کو چھوڑا، ماں باپ ابھی زندہ تھے، ان کی جدائی شاق گذری مگر سفر کے شوق نے اس جدائی کو بھی برداشت کرنے پر مجبور کیا۔ جب تلمسان پہنچا تو اس وقت ابو تاشفین اول وہاں حکمراں تھا۔ (۱۳۱۸ء-۱۳۳۷ء) وہ زیانی خاندان تلمسان سے تھا۔ اس کی حکومت الجزائر تک پہنچ گئی تھی۔ اسی سال کے قریب ابو تاشفین نے سلطان تونس سے لڑائی شروع کر دی جس دن ابن بطوطہ تلمسان پہونچا۔ سلطان تونس کے دو سفیر جو وہاں آئے ہوئے تھے شہر سے واپس ہو رہے تھے۔ ابن بطوطہ جلدی سے ضروری سامان فراہم کر کے ان کے پیچھے ہو لیا اور ان سے شہر ملیانہ میں جا ملا۔ یہاں علالت کی وجہ سے سفیر اس دن ٹھہر گئے جب آگے بڑھے تو ایک سفیر راستہ میں فوت ہو گیا۔

اور کچھ دنوں کے لئے سفراء کے وفد کو رک جانا پڑا۔ ابن بطوطہ اکیلا الجزائر جا کر ان کا انتظار کرتا رہا۔ اُن کے ساتھ متیجہ کے شاداب میدان سے آتے ہوئے کوہ جرجورا پر سے شہر بجایا پہنچا۔ اس وقت وہاں کا حاکم ابن سیدالناس تھا۔ افسوس ہے کہ اس شخص نے مسافروں میں سے ایک تاجر کی میراث پر جو راستہ میں مر گیا تھا اور تین ہزار دینار طلائی تونس میں اپنے ورثار کے لئے چھوڑا تھا قبضہ کر لیا۔ ابن بطوطہ خود بھی بیمار ہو گیا لیکن سفر جاری رکھا۔ راستہ میں عرب لٹیروں کا خوف تھا لیکن کارواں قسطنطین پہنچ گیا۔ ایک دوست نے اس کو اپنا بھاری سامان بیچ کر خود اپنے سامان سے استفادہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے ایسا ہی کیا اور اس نیک بندے کے لئے دعائے خیر کی۔ دوسرے دن شہر کے حاکم نے وفد سے ملاقات کی اور ابن بطوطہ کے پھٹے پرانے کپڑے بدلوا کر اچھی پوشاک عطا کی۔ یہاں سے زائرین بونا پہنچے۔ اور چند دن قیام کر کے تجار کی رفاقت چھوڑ کر آگے کو بڑھے۔ ابن بطوطہ پھر بیمار ہو گیا۔ لیکن اسی حالت میں تونس پہنچا۔ شہر کے باشندے اپنی جان پہچان کے لوگوں سے ملنے آئے۔ اس کا کوئی یار و غمگسار نہ تھا یہ اپنی تنہائی پر رونے لگا۔ اس پر ایک مسافر نے اس کے ساتھ ہمدردی کی اور محبت سے پیش آیا۔

تونس کا سلطان اس وقت ابو یحییٰ بن ابو زکریا دوم تھا۔ شہر میں چند اچھے عالم تھے نماز عید الفطر سلطان نے اپنے اہل و عیال اور درباریوں کے ساتھ شہر کے باہر عیدگاہ میں پڑھی۔ ابن بطوطہ بھی ان کے

ساتھ نماز میں شریک تھا۔

کچھ دنوں بعد عازمینِ حجاز کا کارواں نیا رہوا۔ ابن بطوطہ اس کا قاضی منتخب ہوا۔ شروع نومبر میں تونس سے نکل کر ساحل کے بازو سے سوسہ، سفکس ہوتے ہوئے دگر قیروان کو چھوڑ کر اس لئے کہ ان دنوں وہاں امن نہ تھا، قابس پہنچے۔ یہاں مسلسل بارش کی وجہ سے دس دن قیام رہا۔ پھر ٹریپولی کی طرف چلے۔ ساتھ ایک سو سے زیادہ گھوڑے سوار تیر انداز حفاظت کیلئے تھے اس لئے لٹیرے عرب حملہ نہ کر سکے۔ سفکس میں ابن بطوطہ نے تونس کے ایک عہدہ دار کی لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ ٹریپولی میں دلھن اس کے حوالہ کی گئی لیکن وہاں سے چلتے وقت لڑکی کے باپ سے بگاڑ ہو گیا اور نکاح منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن بطوطہ نے فاس کے ایک عالم کی لڑکی سے شادی کر لی اور اس کی تہنیت میں کارواں کو ایک روز ٹھہر کر سب کی دعوت کی۔

بالآخر ۵ اپریل ۱۳۲۶ء کو اسکندریہ پہنچے۔ شہر بہت خوبصورت مضبوط اور قلعوں سے آراستہ و محفوظ پایا۔ اس کے چار دروازے تھے۔ بندرگاہ نہایت شاندار تھی۔ اپنے سفروں میں کسی اور بندرگاہ کو باستثنا کولم (QUILON) اور کالیکٹ (ہندمیں)، جنوا والوں کی بندرگاہ سوداق (ترکوں کی سرزمین میں) اور زیتون، چین میں اس کے مقابلہ کا نہیں پایا۔ اس کے روشنی گھر (لائٹ ہاؤس) کا ایک بازو گر گیا تھا۔ وہ ایک چوکور عمارت تھی جس کا دروازہ زمین کی سطح سے بلند تھا۔

اس مشہور عمارت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ بلادِ مشرق کے سفر سے مغرب کی طرف واپس لوٹا تو ۷۵۰ھ (م ۱۳۴۹ء) میں یہ لائٹ ہاؤس اس قدر شکستہ حال ہو گیا تھا کہ اس کے دروازے تک رسائی ممکن نہ تھی الملک الناصر سلطان مصر نے اس کے بازو پہ ایک ایسے ہی عمارت کی بنیاد ڈالی تھی لیکن اس کے اختتام سے پہلے مرگیا۔ القلقشندی نے اس مقام کا بعد کو سفر کیا کہتا ہے اسکندریہ کے فیروس (PHARUS) کو جو دنیا کے سات عجائبات میں تھا اور جس کو یونانیوں نے آٹھویں صدی کے شروع میں تھوڑا سا منہدم کر دیا تھا۔ بعد کو ویران ہو گیا۔ فیروس سفید مرمر کا لائٹ ہاؤس تھا۔ بطلیموس اوّل و دوم نے تقریب ۲۸۰ھ قبل مسیح اس کو بنوایا تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسکندریہ کی ایک گلی کا نام ابن بطوطہ سے منسوب ہے مشرق کے کسی اور شہر نے ابن بطوطہ کی اس طرح عزت نہیں کی ۔

پھر وہ پومپئی (POMPEY) کے مینار کا ذکر کرتا ہے جو اسوان (USBYAN) کے سنگ خارا کا ایک مینار سیراپس (SERAPIS) کے ایک قدیم مندر کی جگہ پر قائم تھا۔

اسکندریہ کا قاضی بڑا عالم تھا۔ فصاحت میں یکتا۔ اس کے سر کا عمامہ اتنا بڑا تھا کہ ابن بطوطہ نے ایسا کبھی اور نہیں دیکھا۔ وہ ایک اور عالم تارک الدنیا برہان الدین کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا وہ تین دن مہمان رہا۔ اس عالم نے اس کے متعلق پیشین گوئی کی کہ وہ دنیا کے دور دراز

ملکوں کا سفر کرے گا حالانکہ اس وقت ابن بطوطہ کو ہندوستان اور چین جانے کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ شیخ نے اس کو کہا کہ میرے دینی بھائی فریدالدین سے ہندوستان میں ملو اور رکن الدین سے سندھ میں اور برہان الدین سے چین میں اور ان کو میرا اسلام پہنچاؤ۔

اسکندریہ میں اس نے شیخ المرشدی کی شہرت سنی جو اپنی کرامت سے لوگوں کو من مانے تحفے عطا کرتے تھے۔ ان کا حجرہ شہر سے باہر ایک گوشۂ تنہائی میں تھا۔ جہاں امیر و غریب شاہ و گدا سب جاتے اور من مانے تحفے اور کھانے حاصل کرتے تھے۔ سلطان مصر بھی کئی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ ابن بطوطہ اسکندریہ سے نکل کر دمن ہوتا ہوا فوّا (FVA) پہنچا جہاں ایک نہر کے کنارے شیخ صاحب کا حجرہ تھا۔ اس وقت شیخ کی خدمت میں سلطان کا ایک افسر فوج حاضر تھا۔ ابن بطوطہ نے جب سلام کیا تو شیخ اٹھ کر اس سے بغلگیر ہوئے اور کھانا منگوا کر کھلایا۔ نماز کے وقت اسی کو امام بنایا۔ گرما کا موسم تھا۔ رات میں اس کو حجرہ کے اوپر جا کر سونے کو کہا، وہاں ایک بوریا، چمڑے کا فرش، وضو کے لئے پانی کا برتن اور پینے کے لئے پانی کی صراحی اور پیالے موجود تھے۔ ابن بطوطہ اس بستر پر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا پرندہ اس کو اپنے بازوؤں پر لئے ہوئے مکہ معظمہ کی طرف اڑ رہا ہے وہاں سے اس کو یمن لے گیا۔ پھر مشرق کی طرف لے اڑا۔ بالآخر ایک تاریک اور سرسبز زمین پر اس کو اتار دیا جب ابن بطوطہ نے شیخ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو فرمایا

کہ تم مکہ جاؤ گے پھر مدینہ اس کے بعد یمن ۔ عراق اور ترکوں کے ملک سے ہوتے ہوئے ہندوستان ۔ وہاں تم ایک بڑی مدت تک رہو گے ۔ اور میرے ایک دینی بھائی دلشاد ہندوستانی سے ملو گے جو تم کو ایک مصیبت سے نجات دلائیں گے ۔ یہ کہہ کر اسے کچھ روٹی اور پیسے دے کر رخصت کیا ۔

ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی دمیاتہ (DAMIETTA) اور کئی دوسرے شہروں میں سے گزرے جہاں کے سربرآوردہ مذہبی علماء سے ان کی ملاقات ہوئی ۔ دمیاط دریائے نیل کے کنارے واقع ہے ، لوگوں کے مکانات دریا سے لگے ہوئے تھے اور وہ ڈول ڈال کر دریا سے پانی کھینچتے تھے ، اکثر مکانوں سے ندی میں اُترنے کے لئے سیڑھیاں بھی بنی ہوئی تھیں ، بکروں کے گلّے رات دن کھلے چرتے پھرتے تھے ، کوئی شخص شہر میں داخل ہو کر گورنر کے اجازت نامہ کے بغیر باہر نہیں جا سکتا تھا ۔ متمول اشخاص کو اجازت نامہ کا ایک مہر کیا ہوا کاغذ دیا جاتا تھا ۔ عوام کے ہاتھ پر مہر کی جاتی تھی ۔ دمیاط کے دریائی پرندوں کا گوشت بہت چربی دار تھا ۔ یہاں کی بھینسوں کا دودھ مزے اور شیرینی میں لاجواب تھا ، وہ کہتا ہے بوری نام کی مچھلی وہاں سے شام ، اناطولیہ ، اور قاہرہ بھیجی جاتی تھی ۔ موجودہ شہر کی حال ہی تعمیر ہوئی تھی ۔ پرانا شہر فرنگیوں نے الملک الصالح نجم الدین کے زمانہ میں برباد کر دیا تھا (یہاں ابن بطوطہ کا بیان غیر صحیح ہے یہ شہر کو خود مصری حکومت نے لوئی نہم بادشاہِ فرانس کی ناکام صلیبی جنگ کے بعد منہدم کر دیا (۱۲۴۹ء

۱۳۲۵ء) تاکہ فرنگیوں کا اس پر پکر قبضہ نہ ہو سکے) پھر وہ فارس کو گیا جو دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے۔ دمیاط کے گورنر نے یہاں ایک سوار کے ذریعے اس کے لئے کچھ روپیہ بطور عطیہ روانہ کیا، جس کا وہ شکریہ ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد نیل کی ایک نہر پر ایک بڑے اور پرانے شہر اشمون کو گیا، وہاں سے سمنود ہوتا ہوا متعدد دیگر شہروں سے گزرتا اور تکلیف برداشت کرتا قاہرہ پہنچا، دریا کے دونوں بازو اسکندریہ سے لے کر قاہرہ تک اور قاہرہ سے بالائی مصر میں اسوان تک بازاروں کا سلسلہ قائم تھا، وہ شہر قاہرہ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ باوجود وسعت اس کی آبادی اتنی بڑی ہے کہ شہر میں سما نہیں سکتی۔ اس میں بارہ ہزار سقے تھے جو اونٹوں پر پانی بھر کر لے جاتے تھے۔ ۳۰ ہزار خچر اور گدھے کرایہ والے ندی پر سلطان اور اس کی رعایا کی ۳۶ ہزار کشتیاں تھیں جو بالائے مصر سے دمیاط اور اسکندریہ کے درمیان ہر قسم کے سامان سے لدی ہوئی آتی جاتی تھیں۔ قدیم شہر قاہرہ کے مقابل دریائے نیل کے کنارے الروضہ واقع تھا، (جو ایک جزیرہ بن گیا ہے) جس میں رعایا کی تفریح کے لئے خوب صورت باغ بنے تھے۔ سلطان کا ہاتھ ٹوٹنے کے بعد صحتیابی کی خوشی میں جو دعوتیں دی جا رہی تھیں ان میں ابن بطوطہ بھی شریک ہوا۔ عمرو بن العاص کی جامع مسجد کی شہرت وعظمت کا ذکر کرتا ہے۔ قاہرہ کے مدرسوں کی تعداد زائد از شمار بتاتا ہے۔ سلطان قلاوں (الملک الناصر کے باپ) کے بیمارستان واقع بین القصرین کی

کی تعریف امکان سے باہر بتاتا ہے۔ اس میں بے شمار دوائیاں اور علاج کے سامان مہیا تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کا روزانہ خرچ ایک ہزار دینار تھا۔

وہ قاہرہ کی خانقاہوں کا ذکر کرتا ہے جن کی تعمیر اور نگہداشت میں امراء ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ہر ایک خانقاہ درویشوں کے ایک خاص فرقہ کے لئے وقف تھی، اکثر درویش ایرانی اور تعلیم یافتہ تھے۔ ہر ایک خانقاہ کا ایک شیخ اور ایک دربان تھا، کھانے، رہنے، بسنے اور صفائی کا معقول انتظام تھا۔ دن میں دو بار کھانا کھلایا جاتا تھا۔ صبح ان سے پوچھ لیا جاتا تھا کہ کیا کھائیں گے۔ ہر ایک درویش کے لئے علیحدہ برتن تھے۔ سرما و گرما کے لباس ان کو تقسیم کئے جاتے تھے اور ماہانہ بیس سے لے کر تیس تک درہم ملتے۔ ہر پنجشنبہ کی شب کو انہیں میٹھی روٹی، کپڑے دھونے کا صابن خود ان کے حمام کے اخراجات اور چراغ کا تیل بھی مہیا کر دیا جاتا۔ اکثر ان میں مجرد ہوتے تھے۔ شادی شدہ درویشوں کی خانقاہیں علیحدہ ہوتی تھیں۔

قاہرہ میں قرافہ کا قبرستان بہت ہی متبرک مانا جاتا تھا۔ بے شمار علماء اور صلحاء کے یہاں مزار تھے۔ جن پر پختہ عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ تلاوت قرآن کے لئے قاری مقرر تھے۔ پندرہویں شعبان کو لوگ یہاں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ فاتحہ خوانی اور شب باشی کی غرض سے آتے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کا بازار خوب بھرتا تھا۔ ایک مشہور زیارتگاہ

میں حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک دفن ہے (کربلا میں ۶۱ھ میں شہید ہونے کے بعد سر مبارک دمشق لایا گیا تھا۔ بعد میں قاہرہ میں دفن کیا گیا) سیدنا حضرت حسینؓ کی مسجد بھی شہر کے مشرقی کنارے بڑی شاندار عمارت ہے (اس کے بازو پہ ایک بڑی خانقاہ ہے جس کے دروازے پر چاندی کے حلقے اور پتیاں جڑے ہوئے ہیں۔ پھر وہ دریائے نیل کے پانی کی شیرینی کا ذکر کرتا ہے اور اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے کہتا ہے کہ نیل ہی ایک ایسا دریا ہے جو جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہے اس کے مقابلہ میں فرات، دجلہ، سیحون، جیحون، ہندوستان کے دریائے سندھ، گنگا، جمنا اور شاید برہما پتر کی طرف اشارہ کرتا ہے، خفچاق کے دریائے وانگا جس کے کنارے پر سرا کا شہر آباد ہے، ملک خطا کے دریاؤں اور دریائے سرور (HOANG-HO) کا بھی ذکر کرتا ہے۔ قاہرہ سے بڑھ کر سمندر پہنچنے سے قبل دریائے نیل تین شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، سرا ہو کہ گرما کسی موسم میں بھی اس کا پانی سوکھنے نہیں پاتا کشتیوں ہی کے ذریعہ ان کو عبور کیا جا سکتا ہے۔ جب دریا کو طغیانی ہوتی ہے تو لوگ اس پانی اور اس کے ساتھ لائی ہوئی زرخیز مٹی کو اپنے کھیتوں میں پھیلا دیتے ہیں۔

قاہرہ سے وہ بالائی مصر کی طرف حجاز جانے کے لئے روانہ ہوا۔ پہلی شب دیر التین کی خانقاہ میں ٹھہرا جس میں آنحضرت صلعم کے بعض آثار مبارک محفوظ ہیں۔ مثلاً ان کا لکڑی کا ٹوٹا ہوا کونڈا، جوتے سینے کی سوئی، سرمہ

کی سلائی، اور حضرت علیؓ کا خود اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید کہا جاتا ہے کہ بانی خانقاہ نے ان کو تین لاکھ درہم دے کر خریدا تھا، خانقاہ میں رہنے، ٹھہرنے والوں کی سربراہی کے لئے روپیہ وقف کر دیا گیا تھا۔
یہاں سے وہ متعدد شہروں اور قصبوں میں سے ہوتا ہوا منیتہ ابن خصیب گیا جو دریائے نیل کے کنارے بالائی مصر میں سب سے بڑا شہر تھا۔ پھر منفلوت، اسیوت، اور اخیم ہوتا ہوا اور اخیم کے قدیم مصری مندروں کو دیکھتا ہوا (جو بربا کہلاتے تھے اور جن کے تراشے، کندے اور کتبے اس وقت کوئی سمجھ اور پڑھ نہیں سکتا تھا) پھر مستقر گورنر بالائی مصر یعنی قوص پہنچا۔ اس کے بعد الاقصار (LUXAR) کے خوب صورت چھوٹے شہر میں جہاں تارک الدنیا ابوالحجاج کا مزار ہے (جن کا ۱۲۴۴ء میں انتقال ہوا اور ایمن (AMMON) کے احاطہ کے اندر دفن ہیں) اسنا (ESNA) گیا اور ایک دن اور ایک رات کے صحرائی سفر کے بعد ادفو (EDFU) پہنچا (تعجب ہے کہ وہ الاقصار کے عالی شان مندروں کا ذکر نہیں کرتا ہے حالانکہ ان کی اہمیت اور جاذب نظری ہر مسافر و سیاح کو متحیر کرتی ہے) یہاں اس نے دریائے نیل کو عبور کیا اور اونٹ کرایہ کر کے عربوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک لق و دق مگر چوروں سے محفوظ بیابان میں سے گذرا۔ اثنائے سفر میں ہمیثیرا (HUMAYTHIRA) میں ٹھہرنا پڑا جہاں راتوں کو لومڑیں بڑی تعداد میں گھومتے تھے۔ ایک نے اس کے سامان کی پوٹلی اڑالی جس میں کھجوروں کی تھیلی تھی، صبح تھیلی

پھٹی پائی گئی مگر کھجوریں غائب تھیں۔

پندرہ دن سفر کرنے کے بعد وہ ایذاب (AYDHAB) پہنچا (بارہویں، تیرہویں اور چودھویں عیسوی صدیوں میں یہ مقام بحیرۂ قلزم پر یمن اور ہند کی تجارتوں کا مرکز تھا اور بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ۱۴۲۲ء میں سلطان مصر نے اس کو تباہ کر ڈالا۔ اور اس کے عوض سواکن کی بندرگاہ کو آباد کیا) ایذاب میں اس وقت کافی آبادی تھی۔ دودھ مچھلی، اناج اور کھجوریں بافراط بالائی مصر سے مہیا کی جاتی تھیں، وہاں کے لوگ سیاہ فام تھے، زرد کمبل اوڑھتے تھے۔ بجا (BGAS) کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی لڑکیوں کو ترکہ نہیں ملتا تھا۔ شہر کا ایک تہائی حصہ سلطان مصر کا مطیع و فرمانبردار تھا بقیہ دو تہائی بادشاہ بجا الحدربی (ALHUDRUBI) کے تحت اس وقت وہ سلطان مصر سے برسر پیکار تھا، اور اس کے جہازوں کو ڈبو دیا تھا، اسی وجہ سے ابن بطوطہ آگے نہ جا سکا۔ اور واپس ہو کر دریائے نیل کی کشتیوں کے ذریعے وسط جولائی ۱۳۲۶ء میں قاہرہ واپس ہوا۔

قاہرہ میں صرف ایک رات ٹھہر کر ابن بطوطہ بلبیس اور الصالحۃ کے راستے شام کی طرف چلا۔ مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے جابجا مسافرخانے بنے ہوئے تھے۔ قطیا میں کروڑ گیری (محصول چنگی) وصول کی جاتی تھی۔ جس سے حکومت کو روزانہ ایک ہزار دینار طلائی وصول ہوتے تھے عراق کے جاسوسوں اور نیز عام تدابیر تحفظ کے تحت بغیر اجازت

کے کوئی شخص مصر سے شام یا شام سے مصر جا نہیں سکتا۔ حاکم ابن بطوطہ کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آیا۔ وہ مصر کی سرحد عبور کر کے غازہ میں داخل ہوا یہاں سے وہ حضرت ابراہیمؑ کے شہر ہبرون (HEBRON) میں پہنچا، جس کی مسجد نہایت عالی شان اور بڑے بڑے چوکور پتھروں سے بنی تھی۔ بموجب عام روایات اس کے اندر حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی قبریں ہیں۔ ان کے مقابل ان کی بیویاں مدفون ہیں، کسی شخص کو ان کی نسبت شک و شبہ نہ تھا، اس مسجد میں حضرت یوسفؑ کا بھی مزار ہے اور اس کے جانبِ مشرق حضرت لوطؑ کا جس پہ ایک شاندار عمارت بنوائی گئی ہے، قریب ہی ڈیڈ سی (DEADSEA) واقع ہے۔ اس کا پانی بہت کھاری بلکہ کڑوا ہے۔ ہبرون سے ابن بطوطہ بیت اللحم مقام ولادت حضرت عیسیٰؑ ہوتا ہوا یروشلم پہنچا۔ چوں کہ وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بعد سب سے زیادہ متبرک شہر تصور کیا جاتا تھا۔ اس شہر کی دیواریں سلطان صلاح الدین ایوبی نے گرادی تھیں تاکہ عیسائی اس پر قبضہ کر کے قلعہ بند نہ ہو سکیں۔ یروشلم کی مسجد کی نسبت مشہور تھا کہ تمام دنیا کی مسجدوں سے بڑی ہے (اس کا طول پانچ سو تینتالیس ۵۴۳ گز اور عرض ۴۱۲ گز ہے) مسجد ایک کھلی عمارت تھی۔ صرف ایک حصہ پر جو مسجد اقصیٰ کہلاتا ہے نہایت خوب صورت اور سونے چاندی سے آراستہ چھت تیار کی گئی ہے۔ اس کے قریب اس مقام پر جہاں سے عام عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰؑ نے آسمان کی

طرف صعود کیا ایک عمارت بنائی گئی ہے، یروشلم کی مسجد سے کے دوسرے اور متبرک مقامات دیکھتا ہوا وہ عسقلان پہنچا۔ جو صلیبیوں کی لڑائیوں میں بالکل منہدم ہوگیا تھا۔ یہاں سے وہ الرملہ یا فلسطین کے شہر کو گیا جس کی مسجد کے قبلہ میں کہا جاتا ہے کہ تین رسول مدفون ہیں، اس کے بعد نابلوس گیا جو روغن زیتون کی تجارت کے لئے تمام شام میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ پھر جلوتن ہوتا ہوا لاذقیہ پہنچا پھر غورہ اور سمندر کے ساحل پر سے عکہ گیا، جو اس وقت محض کھنڈر ہوگیا تھا۔ اس مقام سے وہ سور (TYRE) کے کھنڈروں میں سے گزرا جسکے قلعوں کی مضبوطی تمام دنیا میں مشہور تھی۔ سیدا (SIDON) گیا اور اس کے بعد طبریہ گیا اس کو بھی کھنڈر پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابن بطوطہ کے تین جداگانہ سفروں کے حالات مخلوط ہوگئے ہیں۔ یہاں بحیرۂ گلیلی (GALILEE) واقع ہے جو اٹھارہ میل لمبا اور نو میل سے زائد چوڑا ہے۔ زمانۂ دراز سے اس کی شہرت چلی آرہی ہے۔ طبریہ میں مسجد حضرت شعیب (JETTRS) اور ان کی دختر (زوجہ حضرت موسیٰ) اور حضرت سلیمان ؑ کی قبریں ہیں وہاں سے وہ چاہ کنعان جس میں حضرت یوسف ؑ کو آپ کے بھائیوں نے گرایا تھا دیکھنے گیا۔ اس کے بعد اس نے بیروت کے خوب صورت شہر کی سیر کی جس کی مسجد اور میوہ کا بازار بہت خوشنما ہے۔ بیروت سے میوہ اور لوہا مصر بھیجا جاتا تھا۔

یہاں سے چل کر اس نے بمقام کرک نوح ابو یعقوب یوسف (سابق بادشاہ شمال مغربی افریقہ) کا مقبرہ دیکھا جہاں مسافروں کی آسائش کے لئے ایک مذہبی ادارہ وقف تھا، وقف سلطان صلاح الدین یا نور الدین اتابک کی طرف سے قائم کیا گیا تھا۔ پھر وہ شہر طرابلس الشام کو گیا جو کسی زمانہ میں شام کے سربرآوردہ شہروں میں شمار ہوتا تھا بعد کو حصن الاکرا (قلعۃ الحصن) اور حمص ہوتا ہوا گرد و نواح کے باغات اور پن چکیوں کی سیر کرتا ہوا شیعوں کے شہر بعرآمیں داخل ہو، پھر حلب میں جو اس وقت سلطان مصر کے تحت ایک حاکم المخاطب بہ ملک الامرار کے زیر فرمان تھا۔ حلب سے ترکمانوں کے ایک نو آباد شہر تیزین ہوتا ہوا انطاکیہ پہنچا، جو بہت آباد اور خوب صورت مکانات اور باغات سے معمور تھا، وہاں سے سیس (ارمنستان کوچک) پہنچا جس میں فرقہ فدائیان کے بہت سے قلعے تھے یہ لوگ زہر آلود تیروں اور خنجروں سے سیاسی اغراض کے تحت منتخب اشخاص کو قتل کر دیتے تھے۔

ابن بطوطہ یہاں سے جبلہ گیا جہاں ابراہیم ادہم کا مزار ہے، اس نواح میں اس وقت اکثر نصیری آباد تھے، جن کے اعتقادات عام مسلمانوں سے بالکل مختلف تھے۔ پھر وہ لاذقیہ گیا جس کے قریب عیسائی رہبانوں کا ایک مسکن دیر الفاروس کے نام سے مشہور تھا، جو شام اور مصر میں اپنی نوع کا سب سے بڑا ادارہ تھا، عیسائی اور مسلمانوں کی اس میں مفت سربراہی کی جاتی تھی۔ لاذقیہ کی گودی کی حفاظت دو میناروں کے بیچ میں ایک

بھاری زنجیر باندھ کر کی جاتی تھی۔ زنجیر کے کھولے بغیر باہر کے کسی جہاز کی گودی کے اندر رسائی نہیں ہو سکتی تھی اور نہ گودی کے اندر کا کوئی جہاز باہر جا سکتا تھا۔ یہاں سے وہ المرقب کے قلعہ کی طرف گیا جس کو الملک المنصور سیف الدین قلاوون (الناصر کے باپ) نے بزور شمشیر صلیبیوں سے چھینا تھا اس میں کسی اجنبی کو جانے کی اجازت نہ تھی الناصر اس قلعہ کے قریب پیدا ہوا تھا، ابن بطوطہ پھر کوہ الاقرع پر سے گذرا جو ملک شام کا سب سے اونچا پہاڑ اور ساحل کا سب سے پہلا حصہ ہے، جو سمندر سے نظر آتا ہے، یہاں ترکمان آباد ہیں، پھر وہ جبل لبنان پر پہنچا جو دنیا میں سب سے زیادہ شاداب پہاڑ ہے میوہ کے درخت اور پانی کی نہروں سے معمور ہیں بہت سے تارک الدنیا (صلحائے لبنان) اس میں رہتے ہیں۔

پھر بعلبک کا مشہور شہر دیکھا، جو دمشق کے بعد شام میں سب سے بڑا مرفہ الحال شہر ہے، اس میں جتنے آڑو پیدا ہوتے ہیں اتنے کہیں اور نہ دیکھنے میں آئے اور نہ سننے میں، بعلبک کی مٹھائیاں کپڑا اور لکڑی کا سامان بہت مشہور ہے۔

پنجشنبہ ۹ رمضان ۷۲۶ھ (مطابق ۹ اگست ۱۳۲۶ء) کو وہ دمشق میں داخل ہوا، اور ایک مالکی ادارہ موسوم بہ الشرابیشیہ میں اترا۔ دمشق کو وہ تمام شہروں سے زیادہ خوب صورت بتاتا ہے، اور اپنے بیان کی تائید میں ابن جبیر کی نقل نشر کرتا ہے۔ مسجد اموی اس زمانہ میں تمام

دنیا کی مساجد سے زیادہ شاندار سمجھی جاتی تھی، ولید اول بن عبد الملک (۷۰۵ء-۷۱۵ء) نے اس کو تیار کروایا تھا۔ اسلامی مورخین کے بیان کے بموجب شہر دمشق ایک طرف سے آدھا بزور شمشیر اور دوسری طرف سے آدھا بذریعہ مصالحت فتح ہوا۔ سینٹ جان کی کلیسا پر صلح و جنگ کی جماعتوں کے دونوں عرب سپہ سالار ایک دوسرے سے ملے۔ اس لئے کلیسا کا آدھا حصہ ضروری ترمیم کے بعد مسجد بنایا گیا۔ اور بقیہ آدھا حسب سابق عیسائیوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا، ولید نے فتح کے ستر سال بعد عیسائیوں کو معاوضہ دے کر کلیسا کا باقی حصہ بھی مسجد میں شامل کرنا چاہا۔ پہلے تو اس تجویز کی بڑی مخالفت کی گئی آخر میں عیسائیوں کو مان لینا پڑا (جب تیمور لنگ نے دمشق پر ۱۴۰۱ء میں قبضہ کیا تو شہر کی تباہی و بربادی میں مسجد کا بیشتر حصہ منہدم ہو گیا۔ موجودہ عمارت کئی مرتبہ کی جدید تعمیر و ترمیم کا نتیجہ ہے) ابن بطوطہ بڑی تفصیل سے جامع دمشق اور اس کے مضافات کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس مقام پر امیر معاویہ کا قصر الخضراء تھا وہاں دور بنی عباس میں اس کو توڑ کر بازار بنا دیا گیا، پھر وہ باب جیرون اور اس کی مشہور پانی کے عمل سے چلنے والی گھڑیال کا ذکر کرتا ہے۔ جو ایک زمانہ میں قدر و تعجب کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ ابن جبیر نے بھی اپنے سفر ۱۱۸۴ء میں اس کا ذکر کیا ہے۔

دمشق کے سربرآوردہ حنبلی علماء میں تقی الدین ابن تیمیہ بڑے عالم تھے لیکن کسی قدر خود رائے۔ مالکی علماء نے بعض عقاید سے متعلق ان کا

اختلاف تھا۔ تیز مزاجی کی وجہ سے بادشاہ وقت نے ان کو قید کر دیا۔ چنانچہ ۱۳۲۸ء میں انھوں نے قید ہی میں انتقال کیا۔ بعد کو وہابیوں نے بڑی قدر و عظمت کی۔

دمشق کے مشہور متبرک مقامات میں مسجد الاقدام بھی ہے۔ جو شاہراہ حجاز پر وشلم و مصر پر شہر سے دو میل جنوب میں واقع ہے عوام کا عقیدہ ہے کہ اس کے قریب ایک پتھر پر حضرت موسیٰ کے قدم کے نشان ہیں، اس میں ایک چھوٹا سا حجرہ ہے جس میں ایک پتھر پر کندہ کیا گیا ہے کہ ایک عارف سے آنحضرت صلعم نے خواب میں فرمایا تھا کہ یہاں میرے بھائی حضرت موسیٰ کا مزار ہے۔ ابن بطوطہ اپنے واپسی کے سفر میں (جولائی ۱۳۴۸ء) اس مسجد کی برکت سے دمشق کے روزانہ طاعونی اموات کی اچانک کمی کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے رفاہِ عام سے متعلق اوقاف وغیرہ کی ایک بڑی فہرست دیتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ احکام اسلام کی تعمیل کے بموجب زکوٰۃ کی رقوم کے دیانتدارانہ طریقۂ استعمال سے عوام الناس کو کس قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے، پھر مالکی فرقہ کے عالم نورالدین سخاوی کی مہمان نوازی اور فیاضیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کی علالت میں اس کے ساتھ بڑی محبت و ہمدردی سے پیش آئے۔

غرہ شوال (یکم ستمبر ۱۳۲۶ء) کو وہ حجاز کے کارواں کے ساتھ حج کو نکلا راستہ میں بصرا، زیزا کی جھیل اور اللجون پر سے ہوتے ہوئے قلعہ کرک پہنچا جہاں سلطان الناصر نے اپنے مملوک سالار کی بغاوت کے زمانہ میں پناہ

لی تھی۔ پھر شام کے آخری شہر معان اور عقبۃ السوان ہوتے ہوئے صحرا کے لق ودق میں داخل ہوا جس کے متعلق مشہور ہے کہ جو شخص اس میں آتا ہے وہ کھو جاتا ہے اور جو بچ کر نکل جاتا ہے نیا جنم لیتا ہے۔ پھر ذات حج کے زیر زمین چشموں پر سے ہوتے ہوئے وادی تبدہ کے بے آب مقام سے تبوک پہنچا۔ جہاں آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ میں فوج کشی فرمائی تھی۔ یہاں چار دن ٹھہر کر اونٹوں پر پانی بھر لیا گیا تھا تاکہ العلی کے خوفناک صحرا کو عبور کر لیا جائے۔ الاخیدر کی وادی بڑی خطرناک بیان کی جاتی تھی۔ باد سموم کی سختی سے مسافروں کی جانیں خطرہ میں رہتی تھیں۔ تبوک سے نکل کر پانچ دن کے بعد بیرالحجر پہنچے جہاں پانی کی افراط تھی۔ لیکن باتباع ارشاد آنحضرت صلعم کسی شخص نے وہاں پانی نہیں پیا۔ یہاں قوم ثمود کے بود و باش کے آثار موجود ہیں۔

العلی کا نخلستان اور شاداب گاؤں الحجر سے نصف یوم راہ پر واقع ہے۔ عازمان حج اس مقام پر چار دن ٹھہر کر نہاتے اور کپڑے دھو لیتے ہیں۔ صرف ضروری سامان سفر ساتھ لیکر باقی سب گاؤں کے باشندوں کی حفاظت میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ واپسی میں حاصل کر لیں۔ گاؤں کے لوگ بڑے متدین اور بھروسہ کے قابل بیان کئے جاتے تھے۔

تین دن بعد کارواں مدینہ منورہ پہنچا، اسطن حنانہ کے باقیماندہ ٹکڑے کو بادب چھو کر آنحضرت صلعم کے مزار مبارک اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبروں پر فاتحہ دیتے ہوئے اور راتوں کو مسجد نبوی میں عبادت کرتے ہوئے مدینۃ النبیؐ میں چار دن قیام کیا۔ پھر راہی مکہ معظمہ ہوئے۔ پانچ میل

.... راہ پر مسجد ذوالحلیفہ پر ٹھہر کر سنتِ رسول اللہ کے اتباع میں حج کی نیت کرکے سیئے ہوئے کپڑے اتار کر حاجیوں کا لباس (احرام) پہن لیا۔ چوتھا مقام قصبہ بدر میں ہوا یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو کفار پر بڑی فتح عطا فرمائی تھی۔ یہاں خرما کے درخت اور پانی کی بڑی نہر ہے۔ اس کے بعد وادی بزدا کے دشت سے گزرتے ہوئے وادیٔ رابغ گئے۔ جہاں صرف بارش کا جمع شدہ پانی میسر آتا تھا۔ پھر جحفہ کے قریب پہنچے۔ اس مقام پر مصر اور شمالی افریقہ کے حاجی احرام باندھتے ہیں پھر خلیص کے نخلستان اور اس کے بدویوں کے بازار سے ہوتے ہوئے عسفان اور وادی مرّ کی نہر پر پہنچے۔ یہ ایک شاداب مقام ہے جہاں سے مکہ معظمہ کو میوہ اور ترکاریاں بھیجی جاتی تھیں۔ رات ہی کو مکہ معظمہ میں داخل ہوکر حج کے مناسک ادا کرنے شروع کر دیئے گئے۔

مکہ معظمہ کے باشندے بڑے نیک اور فیاض ہیں، غربا اور محتاجوں کی پرورش کرتے ہیں، مرد عورت بہت پاک صاف سفید لباس پہنتے ہیں، عطر اور کحل بکثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ اہل مکہ میں سے ایک تارک الدنیا بزرگ ابن بطوطہ کے قدیم ملاقاتی تھے جو طنجہ میں ان کے مہمان رہے تھے۔ دن میں وہ مدرسۂ مظفریہ میں درس دیا کرتے تھے۔ اور رات کو اپنے قیام گاہ خانقاہ ربیع میں چلے جاتے تھے۔ حجاز کے متمول لوگ اس خانقاہ کی مدد کرتے تھے۔ طائف (جو مکہ سے دو دن کی راہ ہے) کے باشندے اس کے لئے میوہ بھیجا کرتے تھے۔

باب (۲)

۱۷ نومبر ۱۳۲۶ء کو ابن بطوطہ مکہ معظمہ سے عراق کے کارواں کے ساتھ روانہ ہوا یہ سالار کارواں اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور کئی طرح سے نیک سلوک کیا۔ اس کے ساتھ عراق، خراسان، فارس اور ممالک مشرق کے حاجیوں کی ایک کثیر جماعت تھی، غربا کے لئے اونٹوں پر پانی بھر لیا گیا تھا، پکوان کا سامان اور بیماروں کے لئے دوائیاں وغیرہ بھی کافی رکھ لی گئی تھیں، سلطان عراق ابوسعید کی طرف سے یہ تمام سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔ سفر راتوں میں کیا جاتا تھا اور اونٹوں اور محملوں کے سامنے مشعلیں روشن کی جاتی تھیں۔

خلیص اور بدر سے مدینہ منورہ پہنچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی دوبارہ زیارت نصیب ہوئی چھ دن کے قیام کے بعد تین یوم کا پانی لے کر چلے تیسری شب وادی العروس پہنچ کر زیر زمین طبقات میں جو پانی جمع ہوتا تھا کھود کر نکالا گیا بہت میٹھا تھا۔ پھر نجد کے مسطح میدانوں میں سے ہوتے ہوئے پانی کے مقامات عسیلہ اور النقرہ پر سے گذرے پھر القارورہ پہنچے جہاں صرف بارش کا پانی، حوضوں میں جمع کیا جاتا تھا، کہتے ہیں کہ یہ سب ذخائر آب جعفر کی بیٹی (زوجہ خلیفہ ہارون رشید) نے تیار کرائے تھے۔ مکہ سے بغداد تک جتنے بھی حوض، باولیاں، اور مصنوعی تالاب ہیں وہ سب اسی نیک بخت

...بی بی کی یادگار رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے (یہ راستہ درب زبیدہ کہلاتا ہے، بلکہ زبیدہ کے اوقاف غالباً اب بھی برقرار ہیں)۔

نجد کا موسم سال تمام معتدل رہتا ہے، کارواں بعد ازاں الہاجم اور سمیرا میں ٹھہرا، یہاں پانی بہت ملتا ہے گو کھاری، اس مقام پہ بدوی مسافروں کو موٹے سوت کے کپڑے کے معاوضہ میں بکرے، گھی اور دودھ بیچتے ہیں، آگے چل کر ایک ٹیلہ ملتا ہے، جس کی چوٹی پر ایک سوراخ ہے۔ اس میں سے ہوا نکلتی ہے۔ تو سیٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے کارواں پھر فید کی گڑھی پر پہنچا، جو کہ اور بغداد کی نصف راہ میں واقع ہے۔ یہاں وہ عرب کے دو امیروں فیاض اور حیار فرزندان امیر محمد ابن عیسیٰ سے دوچار ہوئے جن کے ساتھ سوار اور پیادہ عرب سپاہ کی بڑی تعداد تھی، اسی جگہ حاجی مقامی عربوں سے بکرے اور اونٹ خریدتے ہیں، پھر اجفور، زرود اور ایک ویران وادی میں سے گذرے جو شیطان کا راستہ کہلاتی ہے۔ سفر کا صرف یہی حصہ تکلیف دہ تھا مگر کچھ بہت مشکل یا لمبا نہ تھا، بعد ازاں واقصہ میں اترے جہاں ایک بڑا قلعہ اور پانی کے حوض ہیں، اس میں عربوں کی آبادی ہے۔ اس کے بعد کوفہ تک کہیں پانی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ الا دریائے فرات کی نہروں سے واقصہ میں اترے جہاں اکثر لوگ کوفہ سے حاجیوں کی ملاقات کو تحفے لے کر آتے ہیں، راستہ میں لوزۃ المساجد اور منارۃ القرون

پر کچھ دیر تک قائم رہا۔ اس کے بعد ایک شاداب وادی العذیب اور پھر
القادسیہ کی مشہور رزمگاہ میں قیام کیا (جہاں سعد بن ابی وقاص نے
یکم جون ۶۳۶ء کو ایرانی فوج کو شکست فاش دی تھی) اس جگہ خرما کے
نخلستان اور دریائے فرات کی ایک شاخ ہے۔
بعد کو نجف (مشہد حضرت علیؓ) میں قیام رہا۔ یہ شہر عراق کے
بہت بڑے شہروں میں سے ہے، ایک وسیع پہاڑی میدان میں واقع ہے
اس کے بازار خوب صورت اور صاف ستھرے ہیں، حضرت علیؓ کے مزار
پر اس وقت بہت خدام اور رکھوالے ملازم تھے، نو وارد........
چاندی کی دہلیز کو چوم کر اندر جانے کی اجازت لیتے ہیں۔ مزار کے گرد
قیمتی قالین وغیرہ بچھے ہوئے ہیں۔ اور سونے چاندی کے قنادیل آویزاں ہیں،
شہر میں تمام شیعی ہیں، اور ان کا عقیدہ ہے کہ ۲۷ رجب کو رات کے
وقت جو بیمار مزار پر حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں شفا بخش دیتا ہے۔
شہر کا حاکم نقیب الاشرف کہلاتا ہے، اس کے رجسٹر میں اہلبیت کے نام
درج ہیں، وہ بڑا ہی بلند مرتبت خیال کیا جاتا ہے، شہر کے باشندے
بڑے جری اور فیاض ہیں۔ یہاں سے کارروان بغداد کی طرف چلا گیا۔
مگر ابن بطوطہ اس ملک کے عربوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دریائے
فرات کے کنارے پر سے راہی بصرہ ہوا۔ راستہ میں ایک مقام العذرا
تھا ہے جہاں پانی اور نیستان کی کثرت ہے یہاں کے ڈاکو شیعی ہیں اور مسافروں کو
لوٹ لیتے ہیں، چنانچہ ابن بطوطہ کے پیچھے انھوں نے چند درویشوں

کا سارا مال واسباب چھین لیا حتیٰ کہ پاؤں کے جوتے اور لکڑی کا کونڈا بھی نہ چھوڑا، اس خطہ کے تین دن کے سفر کے بعد وہ واسطہ پہنچا جس کے باشندے عراق بھر میں خوبیِ اخلاق کے لحاظ سے بہترین مشہور ہیں قرآن مجید کی قرارت سیکھنے کے لئے تمام عراق کے طالب علم واسطہ ہی کو آتے ہیں، چونکہ یہاں کاروان تین دن ٹھہرتا تھا اس لئے ابن بطوطہ ام عبیدہ کے قریہ میں سید احمد الرفاعی رح کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا، جو ایک دن کے راستہ پر واقع ہے، یہاں ہزاروں درویشوں کے بود و باش کی غرض سے خانقاہیں بنائی گئی ہیں، نماز عصر کے بعد طبل و کوس کی آواز پر درویش رقص کرتے ہیں۔ نماز مغرب کے بعد کھانے کے لئے انہیں چاول کی روٹی، مچھلی، دودھ اور کھجوریں ملتی ہیں، بعد نماز عشاء آگ سلگائی جاتی ہے، اور درویش اس کے گرد گاتے ہوئے ناچتے ہیں، بعض تو آگ میں لوٹتے بلکہ انگارے منہ میں ڈال لیتے ہیں، اس طرح تمام آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ سید احمد رفاعی کے چند ایک فقیر بڑے بڑے سانپوں کے سر بھی منہ میں لے کر کتر ڈالتے ہیں۔

جب ابن بطوطہ اس مقام سے واسطہ واپس ہوا تو کاروان چل چکا تھا۔ وہ اس کے پیچھے ہو لیا، اور راستہ میں جا ملا پھر اس کے ساتھ بصرہ پہنچا شہر سے دو میل پر اس نے حضرت علی رض کی مسجد دیکھی جو بوقت تعمیر وسط شہر میں تھی، شہر اب چھوٹا ہو گیا اور آبادی گھٹ گئی لیکن اس کے کھجور کے باغ اتنے ہیں کہ دنیا میں کہیں اور نہ ہوں گے، ایک عراقی درہم

(جو اس زمانہ میں مصری نقرہ کے ایک تہائی برابر تھا اور ہندوستان کے تالیہ ہ۱/۴ آنے کے برابر) سات سیر کھجوریں ملتی تھیں، قاضی شہر نے ابن بطوطہ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرہ تحفۃً بھیجا جس کو ایک آدمی بمشکل اٹھا سکتا تھا بازار میں بکوایا تو (۹) درہم قیمت وصول ہوئی لیکن مزدور کو گھر سے بازار تک لے جانے میں تین درہم دینے پڑے۔

اہل بصرہ بڑے نیک مزاج اور مہمان نواز ہیں، جمعہ کی نماز مسجد علی رضو میں پڑھی جاتی تھی، مگر باقی دنوں میں یہ مسجد بند رہتی تھی، افسوس ہے کہ پیش امام نے خطبہ میں قواعد زبان کی بہت غلطیاں کیں، جب ابن بطوطہ نے قاضی شہر سے اس کی شکایت کی تو قاضی نے کہا اس شہر میں اب ایک شخص بھی باقی نہیں ہے جو قواعد سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو، حیرت کا مقام ہے کہ بصرہ ہی وہ شہر تھا جہاں سب سے پہلے عربی زبان کے قواعد منضبط ہوئے اب اس کی یہ حالت ہوگئی۔

بصرہ سے ابن بطوطہ ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر اُبلہ پہنچا، یہ کسی زمانہ میں بڑی بندرگاہ تھی، ہندوستان اور فارس سے تجار سامان لاتے لے جاتے تھے اب صرف ایک قریہ رہ گیا ہے۔ مگر دریا کے دونوں کنارے میوہ کے باغ تھے سوداگر درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر مچھلی، روٹی، دودھ کھجوریں اور دوسرا میوہ بیچتے تھے یہاں سے وہ ایک دوسری کشتی میں سوار ہو کر عبادان (عبادات) گیا، اس کی ایک ویران مسجد میں اس نے ایک باخدا درویش سے ملاقات کی، جس نے اس کے حق میں دعائے خیر کی، اور بطور تحفہ ایک مچھلی دی جو

خود اپنے ہاتھ سے پکڑی تھی۔ ابن بطوطہ نے اس کو بہت خوش ذائقہ پایا۔ یہاں سے وہ ماجول گیا، جو بحیرہ فارس پر واقع تھا، وہاں سے عراق عجم اور عراق عرب جانے کی غرض سے براہ خشکی کردوں کی آبادی میں سے ہوتا ہوا رامہرمز پہنچا پھر خانقاہوں میں ٹھہرتا ہوا (یہاں روٹی گوشت اور مٹھائی سے مسافروں کی تواضع کی جاتی تھی) تستر میں داخل ہوا یہاں شیخ شرف الدین موسیٰ کے مدرسہ میں سولہ دن قیام کیا، اس بزرگ کا وعظ بعد نماز جمعہ بڑا سبق آموز پایا، کہتا ہے کہ ایسا اچھا وعظ اس نے حجاز شام اور مصر میں بھی نہیں سنا تھا۔ لوگ مذہبی مسائل کاغذ کے پرچوں پر لکھ کر ان کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ وہ ان کو پڑھ کر ان کے جواب لکھ دیتے تھے جو نہایت سنجیدہ اور پر مغز ہوتے تھے۔

تستر سے مسافرین رات باری باری سے مسافر خانوں یا خانقاہوں میں ٹھہرتے ہوئے پہاڑوں میں سے گذرے اور بالآخر ایذاج پہنچے جس کا دوسرا نام مال الامیر تھا، وہ ایک سلطان اتابک کا پایہ تخت تھا، اس کا بیٹا کچھ دنوں قبل مر گیا تھا، لوگ اس کا سوگ منا رہے تھے۔ جب ابن بطوطہ سلطان کے دربار میں داخل ہوا تو اس کے سامنے شراب کے دو پیالے دیکھے ایک سونے کا دوسرا چاندی کا۔ سلطان کی یہ حرکت اس کو بہت بری معلوم ہوئی، مناسب الفاظ میں نصیحت کی، دربار کے ایک عالم نے جب یہ دیکھا تو اس کی بڑی عزت کی اور دعا مانگی کہ یہ نصیحت کارگر ثابت ہو۔ ایذاج سے روانہ ہوتے وقت اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سلطان

کی طرف سے کچھ دینار بطور ہدیہ بھیجے گئے، دس دن تک سلطان کے ملک میں سفر جاری رہا۔ چاروں طرف بلند پہاڑ تھے، ہر رات مسافر ایک مدرسہ میں ٹھہرتے تھے، وہاں ان کے قیام و طعام کا اچھا انتظام تھا، ملک کی ایک تہائی آمدنی اس کام کے لئے وقف تھی، پھر اشترکان اور فیروزان پر سے ہوتے ہوئے اصفہان پہنچے، یہ ایک بڑا شہر تھا، اس کے اطراف میں کئی باغ تھے جن میں نہریں بہتی تھیں اس وقت اگرچہ شہر کا بیشتر حصہ سنی شیعہ جنگ کی وجہ سے غیر آباد ہو چکا تھا، پھر بھی میوہ کی افراط تھی۔ آلو بخارا، انگور اور خربوزہ قابل تعریف تھے، لوگ بڑے مہمان نواز تھے اور ہر قسم کی تجارت امداد باہمی کے اصول پر کی جاتی تھی۔

اصفہان سے نکل کر مسافر شیراز کی طرف روانہ ہوئے تاکہ شیخ مجد الدین سے نیاز حاصل ہو، پہلے چھ دن کا راستہ طے کر کے یزد ی خواستی گئے جس کی پنیر بہترین سمجھی جاتی ہے، دو سے چار اونس تک اس کا وزن ہوتا ہے، پھر ترکوں کے ملک میں سے ہوتے ہوئے شیراز پہنچے۔ اس کو نہایت خوش وضع اور آباد پایا، باشندگان شیراز خوش رو اور خوش پوشاک تھے، اس کی رائے میں دمشق کے بعد اگر مشرق بھر میں کوئی شہر خوبصورت خوش حال اور شاداب ہو سکتا تھا تو وہ شیراز تھا۔ رکنا باد کی ندی کا پانی بہت شیریں تھا، موسم گرما میں ٹھنڈا اور سرما میں گرم، اس کے باشندے بڑے متدین اور عبادت گزار تھے علی الخصوص عورتیں جو ہر دوشنبہ، پنجشنبہ و جمعہ کو شہر کی سب سے بڑی مسجد میں وعظ

سننے کے لئے جمع ہوتی تھیں، سب کے ہاتھوں میں ایک ایک پنکھا ہوتا تھا۔ اس لئے کہ گرمی شدت کی تھی، عبادت کے لئے عورتوں کے اتنے بڑے اجتماع اور کہیں نہیں دیکھے۔

شیراز پہنچ کر سب سے پہلا کام جو ابن بطوطہ نے کیا مشہور بزرگ مجد الدین اسمٰعیل کی خدمت میں حاضری تھی، اس وقت کے بادشاہ عراق اور عوام الناس میں شیخ کی بڑی عزت تھی، سابق بادشاہ سلطان محمد خدابندہ الجائتو (دور حکومت ۱۳۰۵ء تا ۱۳۱۶ء) جس کا بچپن میں باتباع دین مسیحی بپتسمہ ہوا تھا، اس وقت جب کہ ہنوز مشرف باسلام نہ ہوا تھا، ایک شیعی مجتہد کے زیر اثر تھا، جب اپنے تاتاری قبائل کے ساتھ مسلمان ہوا تو مجتہد کے کہنے پر اپنے ممالک میں شیعی عقائد بجبر پھیلانے لگا، بغداد، شیراز اور اصفہان نے اس کے حکم کی مخالفت کی، تو بادشاہ نے ان تینوں شہروں کے قاضیوں کو طلب کیا، سب سے پہلے قاضی مجد الدین شیرازی کرمائے سکونت کے مقام قرا آباغ میں بلائے گئے، جب وہ آئے تو ان کو بہت بڑے بڑے شکاری کتوں کے سامنے ڈلوا دیا تاکہ کتے ان کو پھاڑ کر کھا جائیں، لیکن قاضی صاحب کو دیکھتے ہی کتے ان پر حملہ کرنے کی بجائے دم ہلانے لگے، اور ان کے ساتھ اپنے آقا کا سا سلوک کیا۔ یہ سن کر الجائتو (خدابندہ) نے ان کا بڑا احترام کیا اور انہیں اپنی جاگیریں عطا کیں، ساتھ ہی شیعی تعصب کو بھی ترک کر دیا۔ ابن بطوطہ جب شیخ صاحب سے ملنے گیا تو وہ اس سے بغلگیر ہوئے اور اپنا جانماز

پر نماز پڑھنے کو کہا دا پسی کے سفر میں بھی ابن بطوطہ ۱۳۴۷ء میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا" اس وقت وہ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ایک بادشاہ وقت ابواسحاق کو ان کے سامنے اپنا کان آپ پکڑے بیٹھے دیکھا جو انتہائی ادب کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ سلطان ابوسعید جب ۱۳۳۵ء میں فوت ہوا تو امرار سرکش ہو گئے جس کے ہاتھ جو صوبہ آیا اس پر قابض ہو گیا، ابواسحاق نے شیراز، فارس اور اصفہان پر اپنا قبضہ جما یا، اس کی فوج پچاس ہزار سے زائد تھی۔ اس میں ترکی اور ایرانی (باستثنا ر اہل شیراز) شامل تھے،

شیراز میں متعدد متبرک مقامات مشہور تھے، ایک عبداللہ بن حنیف کا مقبرہ تھا، کہتے ہیں کہ یہ ایک مرتبہ تیس درویشوں کے ساتھ جزیرۂ سیلون (سراندیپ) کے پہاڑ موسوم بہ قلۂ آدم کو گئے۔ راستہ بھول کر ایک جنگل میں چلے گئے جہاں کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ وہاں پست قد ہاتھیوں کا منڈا تھا، بھوک سے بیتاب ہو کر درویشوں نے (باوجود ممانعت شیخ) ان ہاتھیوں میں سے ایک کو کاٹ کر کھا لیا، رات کو جب وہ سو رہے تھے ہاتھیوں نے درویشوں کا منھ سونگھ کر پہچان لیا کہ شیخ کے سوا باقی تمام ہاتھی کا گوشت کھائے ہوئے تھے، ان سبھوں کو مار ڈالا۔ اور شیخ کو ایک ہاتھی نے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر آبادی میں پہنچا دیا، لوگوں نے ان سے جب یہ واقعہ سنا تو ان کی بڑی عزت کی۔ اسی وجہ سے سیلون کے بدھ مذہب کے آدمی مسلمان درویشوں کو اپنے گھروں میں اتارتے ہیں، اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ

کرتے ہیں۔ برخلاف ہندوستان کے برہمنوں کے جو مسلمانوں سے ہمیشہ دُور دُور رہتے ہیں۔

پھر ابن بطوطہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے مزار پر پہنچا، جو رکناباد ندی کے منفذ کے قریب واقع ہے۔ یہاں ایک خانقاہ ہے، جس میں شیخ کی زیارت کو آنے والوں کے قیام و طعام کا انتظام ہے۔ یہاں سے نکل کر ابن بطوطہ شیخ ابو اسحٰق الکازرونی نے مقبرہ کو گیا، جو بمقام گازرون شیراز سے دو دن کے راستہ پر ہے۔ کہتے ہیں کہ ان بزرگ کے تمام تاجر جن کے جہاز ہندوستان اور چین کے سمندروں کا سفر کرتے تھے، بہت معتقد تھے۔ جب کبھی کوئی جہاز طوفان میں آجاتا یا اس پر قزاق حملہ کرنے آتے تو تاجران بزرگ کے نام سے مدد مانگتے تھے، مصیبت سے چھٹکارہ ہونے پر ہزاروں دینار بایفائے منت شیخ کے مقبرہ کی نذر کرتے اس طرح وہاں ہزاروں غریبوں کی پرورش ہوجاتی تھی۔

ابن بطوطہ گازرون سے براہ ہویزہ و زیدان گیا اور وہاں سے پانچ یوم کے بے آب صحرا کا سفر کرکے کوفہ پہنچا، گو ایک زمانہ میں یہ شہر صحابہ کرامؓ وعلماء و ادباء کی سکونت کا مقام تھا اور کچھ مدت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا، اس وقت ڈاکوؤں اور لٹیروں کی دست برد سے ویران ہوچلا تھا، لیکن اس کی مسجد ہنوز قائم اور شاندار تھی، کوفہ سے چل کر بئر الملاحہ کے خوبصورت قصبہ میں سے گذرا جہاں شیعی بکثرت آباد تھے۔"

دوسرے دن مع اپنے ساتھیوں کے دریائے فرات کے مغربی کنارے پر شہر حلہ میں داخل ہوا اس کے بازار وسیع اور قدرتی و صنعتی اشیاء سے معمور تھے، دریا کے آر پار آمد و رفت کے لئے کشتیوں کا ایک مضبوط پل بنا ہوا تھا، حلّہ کے تمام باشندے اثنا عشری ہیں لیکن دو گروہوں میں منقسم، ایک کرد اور دوسرے "اہل المسجدین" ان کے درمیان آئے دن لڑائی جھگڑا ہوا کرتا تھا، بازار کے قریب ایک مسجد ہا مجد قائم الزمان کے نام سے مشہور ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے شہر کے سو آدمی عادتاً مسلح ہو کر باجے بجاتے ہوئے حاکم شہر کے پاس جاتے ہیں، اور اس سے زین لگام سے پوری طرح آراستہ ایک گھوڑا یا خچر لے کر مقام مذکور کے دروازہ پر تلواریں کھینچ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں، "قائم الزماں اپنے گوشہ تنہائی سے باہر تشریف لایئے۔ دنیا میں بدکاری اور ناانصافی پھیل گئی ہے اس کو دور کیجئے" اس طرح باجوں کی آواز کے ساتھ پکارتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ نماز مغرب کا وقت آجاتا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت حسن العسکری کے فرزند حضرت محمد بارھویں امام یکایک ایک غار میں چلے گئے، اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔ قیامت کے قریب ان کا ظہور ہوگا، اس لئے امام مستتر" اور "امام المنتظر" کے نام سے مشہور ہیں۔"

اس کے بعد ابن بطوطہ نے کربلا جا کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی، یہاں بھی داخلہ اور زیارت کے آداب و طریق

وہی تھے جو نجف میں حضرت علیؓ کے مزار مبارک سے متعلق تھے، افسوس ہے کہ اس وقت کربلا میں شیعوں کے ایک ہی خاندان میں دو جماعتیں ہو گئی تھیں۔ جن کے درمیان آئے دن لڑائی جھگڑے ہوا کرتے تھے۔ اس لئے شہر ویران ہو رہا تھا وہاں سے ابن بطوطہ بغداد (سابق پایۂ تخت اسلام بزمانہ، بنی عباس) گیا، اس کی ندی دجلہ پہ بھی کشتیوں کے دو پل تیار کئے گئے تھے، جن پر سے مرد و زن شبانہ روز گذرتے تھے، شہر میں گیارہ جامع مسجدیں تھیں، ندی کے سیدھے کنارے پر آٹھ اور بائیں پر تین، اور بھی مساجد مدرسے بڑی تعداد میں تھے۔ مگر سب ویران و برباد پڑے تھے برایں ہم اس شہر میں حمام بہت تھے، اور اچھے طریقہ پہ بنائے گئے تھے، ان پر باہر سے تیر چڑھا ہوا تھا جس سے سیاہ مرمر کا شبہ ہوتا تھا، ایک ایک شخص کے لئے علیٰحدہ حمام خانے بھی تھے۔ جن میں ٹھنڈا اور گرم پانی غسل کے لئے مہیا ہوتا تھا، نہانے والے کو تین تین تولئے دیئے جاتے تھے۔ اس طرح ستر پوشی کے ساتھ غسل ہوتا تھا اور بعد کو جسم اچھی طرح خشک کر لیا جاسکتا تھا۔ ایسا معقول اور قابل تعریف انتظام اس نے کسی اور جگہ نہیں دیکھا (زمانۂ حال کے دمشق کے حمام خانوں میں ایک ایک شخص کو چھ سے دس تولئے تک دیئے جاتے ہیں، خود راقم الحروف نے ۱۹۱۲ء میں قسطنطنیہ کے ایک مشہور حمام میں ایسا ہی معقول و مناسب انتظام دیکھا) بغداد کا مغربی حصہ جو پہلے تعمیر ہوا تھا اس وقت کھنڈر پڑا تھا، اس کے باوجود بھی شہر کے تیرہ حصے تھے۔ ان میں سے ایک ایک حصہ بمنزلہ ایک شہر کے تھا، جو دو تین حماموں

اور دیگر ضروریات زندگی سے معمور تھا، اس کا مشہور بیمارستان (ہسپتال) اس وقت ویران تھا، شہر کا مشرقی حصہ بازاروں سے بھرا تھا، سہ شنبہ کا بازار سب سے بڑا تھا، شرقی جانب میوہ کا کوئی درخت نہیں تھا، سب میوہ غربی جانب کے باغات سے فراہم کیا جاتا تھا،

ابن بطوطہ جس وقت بغداد پہنچا اسی وقت ابوسعید بہادر خان سلطان عراقین و خراسان (فرزند محمد خدابندہ) بھی وہاں پہنچا (یہ مغل ایلخانان فارس کا آخری بادشاہ تھا) بڑا فیاض آدمی تھا، لڑکا ہی تھا کہ باپ کی جگہ تخت نشین ہوا، امیر اکبر چوپان نے اس کو کمسن دیکھ کر حکومت اپنے ہاتھ میں کرلی، ایک دن بادشاہ کی ایک ماں نے چوپان کے بیٹے دمشق خواجہ کی بے ادبی کی شکایت کی۔ تو ابوسعید نے اسکو گرفتار کرکے قتل کروادیا، چوپان اس وقت تاتاری فوج کے ساتھ خراسان میں تھا، فوج لے کر بادشاہ سے لڑنے آیا لیکن فوج بادشاہ کی طرف چلی گئی۔ چوپان نے بھاگ کر شاہ ہرات کے ہاں پناہ لی لیکن اس نے چوپان اور اس کے سب سے چھوٹے بیٹے کو قتل کروادیا، ابوسعید کو بادشاہت کے پورے اختیارات حاصل ہونے کے بعد چوپان کی ایک بیٹی سے شادی کرنے کی خواہش ہوئی، وہ بہت حسین تھی، اور بغداد خاتون کے لقب سے مشہور تھی اس کا عقد پہلے شیخ حسین سے ہو چکا تھا (جو بعد کو ابوسعید کے مرنے پر خود عراقین کا بادشاہ بن گیا اور اس کا پھوپھی زاد بھائی بھی تھا) ابوسعید کے حکم سے شیخ حسین نے بغداد خاتون کو طلاق دی اور وہ ابوسعید کے نکاح میں آئی۔ بادشاہ کو اس سے بہت

محبت تھی اور اس کا اس پر بہت اثر تھا، ترک عموماً اپنی عورتوں کی بڑی عزت کرتے ہیں، سلطان کے فرمان کے ساتھ لکھا جاتا تھا حسب الحکم سلطان وخواتین سلطان، کچھ عرصہ بعد سلطان نے ایک دوسری عورت دلشاد (دختر دمشق خواجہ) سے شادی کی۔ بغداد خاتون نے حسد کے مارے ابوسعید کو رومال کے ذریعہ زہر دے کر قتل کروا دیا، جب امراء کو اس کا علم ہوا تو ایک یونانی خواجہ سرا نے (جو غلامی سے ترقی کرکے بڑا امیر بن گیا تھا) بغداد خاتون کو غسل خانہ میں مار ڈالا۔

بغداد سے جب سلطان ابوسعید کا شاہی کاروان (جو عام اصطلاح میں محلہ کہلاتا تھا) روانہ ہوا تو ابن بطوطہ نے بھی اس کے ساتھ دس دن تک سفر کیا۔ اس کے بعد دس دن کا راستہ طے کرکے ایک امیر کے ہمراہ تبریز پہنچا، لوگ شہر کے باہر ایک مقام پر جو الشام کہلاتا تھا مسافرخانہ میں اترے۔ یہاں روٹی، گوشت، بگھارے چاول اور مٹھائی سے ان کی تواضع کی گئی، دوسرے دن اس نے شہر کے غازان بازار کا گشت کیا، اس کو دنیا کے بہترین بازاروں میں تصور کرتا ہے۔ جوہریوں کی دکانوں کو قیمتی زیورات سے معمور پایا، حسین غلام قیمتی ریشمی لباس پہ کمر باندھے سوداگروں کے سامنے ترکی خواتین کو زیور دکھا رہے تھے، مال بافراط خریدا جا رہا تھا، اس خرید وفروخت میں جھگڑا بھی ہوا، عنبر و مشک کے بازار میں بھی ایک ایسا ہی جمع تنازعہ دیکھنے میں آیا، وہ تبریز میں صرف ایک رات رہ سکا، اس لئے کہ امیر نے اس کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے حکم دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر

کے علماء سے ملاقات نہ کرسکا، امیر اس کو سلطان کے دربار میں لے گیا۔ اور کہا کہ ابن بطوطہ حجاز واپس جانا چاہتا ہے، سلطان نے حاجیوں کے افسر کاروان کے نام بغداد کے گورنر کے توسط سے احکام نافذ کئے کہ ابن بطوطہ کی روپے وغیرہ سے مدد کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ چونکہ کارواں کی روانگی کے لئے ابھی دو مہینے باقی تھے، اس لئے ابن بطوطہ چند اور لوگوں کے ساتھ اس اثنا میں موصل اور دیار بکر دیکھنے کی غرض سے روانہ ہوا۔

مسافر بغداد سے نکل کر دجلہ کی مشہور نہر دجیل پر ایک جگہ پہنچے) جس کو حربہ کہتے تھے۔

وہاں سے ایک قلعہ کو گئے جس کا نام المعشوق تھا، اس کے مقابل دریا کے مشرقی کنارے پر سامرا (یا سرمن رآ کے کھنڈرات واقع ہیں) ایک زمانہ میں بعہد المعتصم باللہ (۲۳۳ھ ۸۴۲ء) بنی عباس کا دار الحکومت بجائے بغداد کے سامرہ میں منتقل کیا گیا، اس زمانہ میں وہاں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بڑی بڑی حویلیوں میں شاہی خاندان اور اس کے حواشی رہا کرتے تھے، تقریباً نصف صدی کے بعد بعہد (المعتضد ۲۷۹ھ ۸۹۲ء ۹۰۲ء بغداد پھر دار الخلافہ بنا) ان سے گذر کر ایک دن کے بعد تکریت (مقام ولادت سلطان صلاح الدین ایوبی) پہنچے، اس کے بازار اور مساجد بارونق پائے گئے۔ پھر العقر کے قصبہ اور اس کے بعد قصبات وحزارع کے سلسلہ میں سے ہوتے ہوئے موصل پہنچے، راستہ میں قیر کی باولیاں ملیں، جیسا کہ کوفہ اور بصرہ کے پاس دیکھنے میں آئی تھیں۔

موصل ایک قدیم اور خوش حال شہر تھا، اس کا قلعۃ الحدباء مضبوطی کے لیے مشہور تھا، اس کے بازو سلطان کے محلات تھے، شہر کے گرد دو مضبوط دیواریں تھیں، جن پر قریب قریب برج بنائے گئے تھے، دیواریں اتنی موٹی تھیں کہ ان کے ایک ایک بازو کے اندر ایک ایک کمرہ سلسلہ وار بنایا گیا تھا صرف دہلی ہی کے شہر میں ایسا دیکھا گیا، شہر کے باہر مضافات میں حمام، مسافر خانے اور بازار تھے، دجلہ کے کنارے جامع مسجد ہے، نہایت خوب صورت، اور عالی شان، اس مسجد کے سامنے ایک بیمارستان تھا، شہر کے اندر بھی دو جامع مسجدیں تھیں موصل کا قیصریہ لوہے کے دروازوں کی ایک اچھی عمارت تھی۔

موصل سے ابن بطوطہ جزیرہ ابن عمر کو گیا، یہ شہر جزیرہ اس لئے کہلاتا تھا کہ دریا اس کے گرد گھومتا ہے، اس وقت شہر کا بڑا حصہ کھنڈر بنا پڑا تھا، اس کے باشندے خوش خلق اور مہمان نواز تھے۔ وہاں سے کوہ جودی کا مطالعہ کیا۔ جہاں صرف حضرت نوح کی کشتی آکر ٹھہری تھی جس کا ذکر کلام ربانی میں آیا ہے، دو دن کے سفر کے بعد قدیم شہر نصیبین میں پہنچا اس وقت وہ ویران ہو چلا تھا، تاہم اس کا عرق گلاب لاجواب تھا۔ اس کے گرد پہاڑی چشموں سے نکل کر ایک ندی بہتی ہے جس کا پانی شہر کی گلیوں اور مکانوں میں سے گذرتا تھا۔ اس شہر میں ایک بیمارستان اور دو مدرسے تھے۔

یہاں سے ابن بطوطہ شہر سنجار گیا۔ جو پہاڑوں کے دامن میں

آباد تھا، (لیکن یہ کاتب تحفۃ النظار یا خود ابن بطوطہ کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اغلب گمان ہے کہ وہ یہاں سے اپنے واپسی کے سفر میں گیا، پھر دارا نامی شہر میں گیا، جو سلطنت روما کا سرحدی مقام تھا۔ جسٹینین نے (JUSTINIAN ——) اس کو قدیم ایرانیوں کی مدافعت کے لئے بنایا تھا، وہاں سے ماردین گیا، جہاں اس نام کا اونی کپڑا تیار ہوتا تھا، ماردین ممالکِ اسلام کے خوب صورت اور مضبوط شہروں میں شمار کیا جاتا تھا، اس کا قلعہ ایک بڑے ہی اونچے پہاڑ پر واقع ہے اس وقت وہاں کا سلطان ملک الصالح بڑا ہی فیاض، قدردان شعراء اور غربا نواز تھا، (سلجوق سلطان بغداد نے ۵۰۱ھ میں ماردین کو مشہور بہادر ایل غازی کے تفویض کیا جس نے صلیبی جنگجوؤں سے بڑی دلیری کے ساتھ جنگیں کی، اس کے جانشین تاریخ میں ارتق کہلاتے ہیں شہر اور اس کے اطراف کا ملک اسی خاندان کے تصرف میں تیمور لنگ کے مرنے تک رہا۔ الملک الصالح اس خاندان کا بارہواں بادشاہ ۷۱۲ھ میں حکمران رہا)

ابن بطوطہ یہاں سے حجاز کے کارواں میں شریک ہونے کے لئے بغداد واپس آیا۔ شہر کے حاکم نے حسب فرمان سلطان اس کے آرام و آسائش کا انتظام کر دیا۔ سالار کارواں اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ کوفہ پہنچتے ہوئے وہ بیمار ہو گیا۔ لیکن سفر جاری رکھا اسی حالت میں مکہ معظمہ پہنچا اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا، نقاہت کی وجہ

سے صفا و مروہ کے درمیان پاپیادہ نہ جا سکا مجبوراً امیر کے گھوڑے پر سوار ہو لیا، جب منیٰ پہنچا تو رو بہ صحت ہوا۔ بعد ختم حج سال بھر مکہ ہی میں رہا اور بیشتر وقت عبادت و تلاوت میں صرف کیا۔ بعد کے سال یعنی سنہ ۱۲۳۲ھ کے حج کے بعد بھی اور دو برس وہیں مقیم رہا۔

ابن بطوطہ کا سفر ایران

باب (۳)

۱۳۳۰ء کے اختتام کے قریب کا حج کر کے ابنِ بطوطہ راہی یمن ہوا۔ مکہ سے جدہ گیا، بحیرہ قلزم کی اس بندرگاہ کی نسبت مشہور تھا کہ زمانۂ قدیم میں ایرانیوں نے اس کو تعمیر کیا، جدہ کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے موذن گن لیا کرتا تھا کہ باشندگان شہر سے کتنے لوگ حاضر ہیں۔ اگر چالیس ہوتے تو نماز جمعہ پڑھائی جاتی اگر اس سے کم تو نماز ظہر، اجنبیوں اور مسافروں کو اس میں شمار نہیں کیا جاتا تھا، یہاں سے وہ ایک جلبہ (کشتی) میں سوار ہوا شریف منصور نے اس کو اپنی کشتی میں بیٹھنے کو کہا، لیکن اس میں کئی اونٹ تھے، ابن بطوطہ نے گھبرا کر ان کے ساتھ سفر کرنا مناسب نہ سمجھا، دو روز بعد مخالف ہوا چلنے لگی، راہ رو بیمار ہو گئے، بالآخر رأس دوائر (شائد حالیہ نام کے راس رویہ) پہ اندآب اور سواکن کے درمیان پناہ ملی۔ یہاں انہیں ایک جھونپڑی میں شترمرغ کے انڈے ملے۔ جن میں پانی بھرا ہوا تھا، اس پانی کو لے کر کھانا پکایا گیا۔ بےجا قوم کے چند لوگ آپہنچے۔ جن سے اونٹ کرایہ پر لے کر ملک کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے، ہرن بکثرت نظر آئے اور چونکہ ان کا گوشت وہاں کھایا نہ جاتا تھا اس لئے وہ آدمیوں کو دیکھ کر بھاگتے نہ تھے، سیاح دو دن چل کر جزیرہ سواکن پہنچے جو ساحل سے چھ میل پر واقع ہے، یہاں نہ پانی ملتا ہے، نہ اناج پیدا ہوتا ہے، کسی قسم کا درخت بھی نہیں ہوتا،

کشتیوں کے ذریعہ پانی پہنچایا جاتا ہے، شتر مرغ، ہرن اور جنگلی گدھوں کا گوشت ملتا ہے، مچھلیے بہت ہیں، دودھ اور مسکہ بھی دستیاب ہوتا ہے جو مکہ بھیجا جاتا ہے،

سواکن سے جہاز پہ سوار ہو کر ابن بطوطہ اور اس کے ہمسفر یمن کی طرف چلے، سمندر کے اس حصہ میں جا بجا چٹانیں ہیں اس لئے رات کو جہاز رانی ..... نہیں ہوتی، کپتان ہر وقت جہاز کے سامنے کے حصہ پر کھڑا رہ کر ملاحوں کو ان چٹانوں سے بچ کر چلانے کے لئے ہدایات دیتا رہتا ہے۔ چھ دن بعد حالی نامی شہر پہنچے، یہ بڑا اور آباد مقام تھا۔ جس میں دو عرب قبیلے، رہتے تھے، اس کا سلطان نیک مزاج، تعلیم یافتہ اور شاعر بھی تھا، ابن بطوطہ نے اس کے ساتھ مکہ سے جدہ تک سفر کیا تھا۔ جب اس شہر میں اترا تو کئی دن تک سلطان نے اس کو اپنے یہاں مہمان رکھا، بعد کو اس کے جہاز میں سوار ہو کر شرجا پہنچا، جہاں بڑے مہمان نواز تاجر آباد تھے یہاں صرف ایک رات ٹھہر کر وہ الابواب اور پھر زبید پہنچا، جو سلطان یمن کی سرمائی قیامگاہ تھی تعز جس کا گرمائی پایۂ تخت تھا،

زبیدہ یمن کے پایۂ تخت صنعا سے ایک سو بیس میل دور ہے، وسعت و تمول میں یہ دوسرا شہر ہے، اس میں باغ اور میوہ مثلاً موز (کیلا) وغیرہ نہروں کی وجہ سے بکثرت ہیں، لوگ خوش خلق، راست باز اور خوش وضع ہیں، عورتیں بہت حسین ہیں۔ خرما کے پکنے کے موسم میں ہر شنبہ کو باغوں میں بچے بڑے مرد و زن سب کے

سب جمع ہوتے ہیں گا۔تے بجاتے اور خوشی مناتے ہیں، شہر کی عورتوں کو غیر ممالک کے مردوں سے شادی کرنے میں تامل نہیں، مگر وطن چھوڑنا نہیں چاہتیں، ابن بطوطہ یہاں سے نکل کر تعز گیا، لیکن وہاں کے باشندوں کو مغرور و متکبر پایا۔ (جیسا کہ عموماً ہر پایۂ تخت میں دیکھا جاتا ہے۔ یمن کا سلطان رسولی خاندان نور الدین علی تھا، پنجشنبہ کو اس کا دربار منعقد ہوتا تھا۔ حاضرین کے لئے لازم تھا کہ جھک کر انگشت شہادت سے زمین کو چھولیں پھر سر کو لگا کر کہیں "اللہ تعالیٰ سلطان کو قائم و برقرار رکھیں" ابن بطوطہ بھی اس دن قاضی کے ساتھ دربار میں داخل ہوا، سلام کر کے سلطان کے سامنے بیٹھا، تو اس نے سیاح کے وطن اور سفر کے حالات دریافت کئے، وزیر بھی وہاں موجود تھا اس کو حکم دیا گیا کہ ابن بطوطہ کی اچھی مہمان داری کی جائے۔ کچھ دنوں بعد وہ صنعا گیا، ہندوستان اور حبش کی طرح یمن میں بھی بارش تمام سال میں صرف چند مہینے ہوتی ہے۔ مگر خوب شدت کی ہوتی ہے، صنعا کا ہر گھر اور گلی کوچہ پتھر کے فرش سے آراستہ تھا، بارش کا پانی فرش کی وجہ سے شہر کو بالکل دھو کر صاف کر دیتا تھا، صنعا سے وہ عدن گیا جو یمن کی بندرگاہ ہے اس کے گرد پہاڑ ہی پہاڑ ہیں، داخلہ کا صرف ایک ہی راستہ ہے، یہاں کسی قسم کی زراعت نہیں ہوتی، نہ کوئی درخت ہے، پانی وہی ملتا ہے جو بارش کے زمانہ میں حوضوں میں جمع کر لیا جاتا ہے۔ گرمی کی شدت ہے، ہندوستان کی بندرگاہوں، کھمبائت، قولم، یعنی کویلون، کالی کٹ، اور دیگر ملیباری مقاموں سے یہاں

سامان سے لدے ہوئے جہاز آتے ہیں، شہر میں ہندوستان اور مصر کے بھی تاجر رہتے ہیں، ان میں بعض ایسے دولت مند تھے کہ بڑے سے بڑے جہاز کا سامان بھی بعض وقت ایک تاجر اکیلا خرید لیتا تھا، دولت و باہمی رقابت کے باوجود خدا ترس و منکسر المزاج اور فیاض تھے، زکوٰۃ بڑی پابندی سے ادا کرتے تھے۔

عدن سے جہاز پر سوار ہو کر ابن بطوطہ چار دن کے سفر کے بعد بربرہ کے حبشیوں کے شہر زیلا کو گیا یہاں سے مقدشا تک دو مہینہ کا راستہ صحرا ہی صحرا ہے، زیلا اگرچہ ایک بڑا شہر اور اس کا بازار وسیع ہے، لیکن مچھلیوں کی افراط اور ذبح کئے ہوئے اونٹوں کے خون کی وجہ سے انتہا درجہ کا غلیظ اور متعفن ہے۔ مسافروں نے باوجود سمندر کی طغیانی کے رات کو جہاز ہی پر ٹھہرنا مناسب سمجھا، پندرہ دن کے سفر کے بعد مقدشا پہنچے، جو بہت بڑا شہر تھا، اور جہاں تجار اپنے کھانے کے لئے روزانہ سیکڑوں اونٹ ذبح کرتے تھے، جب کبھی باہر سے کوئی جہاز اس کی بندرگاہ میں داخل ہوتا نوجوان باشندگان شہر چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر کھانے کے خوان لئے ہوئے پہنچتے، اور تاجروں کو ایک ایک اپنا مہمان بنا لیتا، ابن بطوطہ تاجر نہ ہونے کی وجہ سے قاضی شہر کا مہمان بنا لیا گیا، اس نواح کا سلطان شیخ کہلاتا تھا، اس وقت ابوبکر نام کا بربر قوم سے ایک شخص سلطان تھا، اس نے بوقت حضوری دربار ابن بطوطہ کی پان سپاری سے تواضع کی اور طالب علموں کے مکان

میں بحیثیت مہمان شاہی اس کو ٹھہرایا۔ تین دن کے بعد جمعہ کے روز سلطان کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی گئی، یہاں سے اس نے سواحل کی سرزمین کا عزم سفر کیا تاکہ زنج (زنگیوں) کے علاقہ میں کلوا کا شہر جاکر دیکھے، دو دن کے بعد وہ مباسہ کے جزیرہ پر پہنچا۔ اس جزیرہ میں میوہ وغیرہ کے درخت تھے مگر اناج کی قسم سے کوئی کاشت نہ تھی۔ ایک تاجر نے اس سے کہا کہ کلوا سے سفالا کا شہر جنوب میں چودہ دن کی مسافت پر ہے اور وہاں سے ایک مہینہ کے سفر کے بعد لیمی قوم کا ملک آتا ہے۔ جس کے یوفی نامی ایک مقام سے وہاں کے باشندے سونا لاکر بیچتے ہیں، کلوا بڑا شہر تھا، اس کی تمام عمارتیں لکڑی کی تھیں، اس وقت وہاں کا سلطان ابوالمظفر حسن بڑا نیک اور فیاض تھا، کافر زنگیوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہتا تھا، جب یہ فیاض سلطان مرگیا، تو اس کا بھائی داؤد جو بڑا بخیل تھا تخت نشین ہوا۔ سیاح کلوا سے ظفار میں پہنچے جو یمن کا آخری کنارہ ہے یہاں سے اچھی نسل کے گھوڑے ہندوستان بھیجے جاتے ہیں۔ اس شہر کے باشندوں اور (مقام تعجب ہے) جانوروں، مویشیوں کی خوراک ۔۔ بھی سارڈین کے قسم کی مچھلی تھی، بازار میں لونڈیاں ہی سامان بیچتی تھیں، ان کا لباس بالکل سیاہ تھا۔ اناج کی کاشت ہوتی تھی لیکن نہایت عمیق باولیوں کے پانی سے، اس جگہ کے باشندے اطوار و عادات میں شمالی مغربی افریقہ کی اقوام کے مماثل تھے شہر کے پاس میوے کے باغ تھے جن میں موز (کیلا) بکثرت تھے۔ پان اور ناریل کی بھی کاشت ہوتی تھی۔ پان سپاری کا ہندوستان

کی طرح بہت استعمال تھا۔اس کا عطیہ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ناریل کے دودھ سے شہد اور شکر بھی بناتے ہیں۔اس کا تیل کھانے اور چراغ جلانے کے کام میں آتا ہے۔عورتیں اپنے سر کے بالوں میں بھی یہ تیل استعمال کرتی ہیں۔

ہنیبرا کے ایک شخص کے چھوٹے جہاز میں بیٹھ کر ابن بطوطہ اور دیگر مسافر راہی عمان ہوئے۔دوسرے دن کوریا موریا کے جزائر میں سے ایک جزیرہ ہاسک پر جا پہنچے جس کے باشندے سب ماہی گیر تھے، یہاں لوبان کے بہت درخت ہیں جن کے پتے پتلے ہوتے ہیں۔جب ان میں شگاف کیا جاتا ہے تو دودھ ٹپکتا ہے جو گوند کی طرح جم کر لوبان بن جاتا ہے، لخام نامی مچھلی ان کی غذا تھی، اس کو چیر کر گوشت ہڈی سے جدا کر لیا جاتا ہے اور دھوپ میں سکھایا جاتا ہے، مچھلی کی ہڈیوں سے مکان بنائے جاتے ہیں۔اور ان پر اونٹ کا چمڑا بطور چھت کے چھپاں کر دیا جاتا ہے، چھ روز بعد ایک جزیرہ پر پہنچے جہاں پرندہی پرند نظر آتے تھے ملاحوں نے ان کے انڈے اور بچے پکا کر کھائے۔ابن بطوطہ نے صرف مچھلی کھا کر پیٹ بھرا، اس لئے کہ ملاح پرندوں کو ذبح کر کے نہ پکاتے تھے۔ جہاز ہی پر عید الاضحیٰ منائی گئی، خشکی پر جانا نہ ہو سکا۔سمندر متلاطم تھا۔ اور سامنے ہی ایک جہاز ڈوب گیا اور صرف ایک شخص بڑی مشکل سے جان بچا سکا۔

مسیرا سے ایک دن اور ایک رات سفر کر کے سور پہنچے جہاں سے قلہات

کا شہر پہاڑ کے پیچھے نظر آتا تھا ابن بطوطہ کو اس شہر کے دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ خضر نامی ایک ہندوستانی بھی اس کے ساتھ ہولیا، جو شخص رہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا، بدنیت ثابت ہوا جس کی وجہ سے ابن بطوطہ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی، چلتے چلتے پاؤں ورم کر گئے، آخر حاکم شہر نے اس کو اپنے یہاں ٹھہرایا، قلہات کی مسجد بڑی شاندار اور مرتفع مقام پر بنائی گئی ہے اسکی دیواریں قاشانی کام سے آراستہ ہیں، یہاں چاول کے ساتھ جو ہندوستان سے لایا جاتا ہے مچھلی پکا کر کھاتے ہیں، مچھلی بہت ہی لذیذ تھی، پھر وہ چھ دن کے سفر کے بعد عمان پہنچے، جو بہت شاداب اور ہمہ قسم کے میووں اور درختوں سے معمور تھا، اس کا پایۂ تخت نزدا ایک پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ بازار نہایت پاک وصاف تھا اور مسجدیں نہایت خوشنما تھیں، ملک کے باشندے مسجد کے صحن میں بیٹھ کر اپنا اپنا کھانا لا کر کھاتے تھے۔ اگر کوئی مسافر آگیا تو اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔ بڑے بہادر اور جنگجو تھے عمان کا سلطان ابو محمد نامی ازدی قبیلہ سے تھا، ساحل کے کنارے کے اکثر شہر ہرمز کی حکومت میں تھے، ابن بطوطہ یہاں بھی پہنچا، وہ ایک ساحلی شہر تھا، جو مغستان بھی کہلاتا تھا، جدید ہرمز سمندر کا ایک جزیرہ اس کے سامنے نو میل پر واقع ہے، اس کی بندرگاہ بازاروں سے بھرتی تھی، ہندوستان خصوصاً سندھ سے لایا ہوا سامان عراقین، فارس اور خراسان بھیجا جاتا تھا۔ لوگ کھجور اور مچھلی کھا کر جیتے ہیں، اور کہتے ہیں "خرما و ماہی لوت بادشاہی" باولیوں اور مصنوعی تالابوں سے پانی حاصل

کیا جاتا ہے، سقا مشکوں میں بھر کر لاتے ہیں، جامع مسجد کے دروازے پر
مچھلی کا سر اتنا بڑا نصب تھا کہ لوگ اس کی ایک آنکھ کے حلقہ سے اندر آتے
اور دوسرے سے باہر جاتے تھے، ہرمز کا سلطان قطب الدین تہمتن بڑا ہی
فیاض اور منکسر المزاج آدمی تھا اس وقت اپنے باغی بھتیجوں سے جنگ کر رہا
تھا۔ جب ابن بطوطہ اور اس کے ساتھ کے مسافر وزیر کے ساتھ سلطان
کے قصر میں سلام کے لئے حاضر ہوئے تو سلطان کو ایک بوڑھا آدمی بالکل معمولی
لباس پہنے اور عمامہ باندھے پایا۔

ایک بزرگ کی ملاقات کی غرض سے ابن بطوطہ ہرمز سے خنجپال کے
ایک شہر کو گیا، یہاں ترکمانوں کی آبادی تھی۔ ان کی رہنمائی کے بغیر سفر
ناممکن تھا، راستہ میں چار دن کی مسافت کا ایک صحرا حائل تھا جس میں
عرب ڈاکوؤں اور باد سموم کی شدت کی وجہ سے جان ہمیشہ خطرہ میں رہتی تھی
ان صحراؤں سے گذر کر وہ خورستان گیا جو بہت گرم مقام تھا، یہاں ابن بطوطہ
یا اس کے کاتب کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ خورستان شیراز سے
تقریباً پچاس میل جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ اگر وہ وہاں سے گذرا تو
غالباً ۱۳۴۷ء میں ہندوستان سے واپسی کے وقت ہی گذرا ہوگا۔ خورستان
کا دوسرا نام سروستان ہے۔ یہیں پانی اور میوہ کے باغات کی افراط
ہے۔ اس کے بعد لار نامی شہر میں پہنچا، اور درویشوں کی خانقاہ
میں ٹھہرا اس جگہ کا سلطان ایک ترکمان تھا۔ جس نے عام دستور کے مطابق
از راہ کرم اس کے پاس کچھ تحفہ بھیجے۔

یہاں سے نکل کر سیدھا خنجبال پہنچا۔ جو مشہور بزرگ شیخ ابودلف کی قیام گاہ تھی، ان سے شرف ملاقات حاصل کر کے قیس کو گیا جسے سیراف بھی کہتے ہیں (یہاں بھی ابن بطوطہ کے حافظہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ سیراف کی قدیم بندرگاہ جو کسی زمانہ میں خلیج فارس کی آمد و رفت کا دروازہ تھی حالیہ طہیری (TAHIRI) کے قریب واقع ہے۔ قیس یا کیش اس سے کوئی ستر میل جنوب میں ایک جزیرہ ہے جس کا ذکر شیخ سعدی نے گلستان کی ایک حکایت میں کیا ہے) بارہویں صدی عیسوی میں کیش نے سیراف سے خلیج کی آمد و رفت کا راستہ چھین لیا۔ سنہ ۱۳۰۰ء میں کیش کی جگہ شہر ہرمز آمد و رفت کا مقام بنا جو بندر عباس کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ سنہ ۱۵۱۵ء میں پرتگالیوں نے ہرمز پر اپنا قبضہ جمایا لیکن سنہ ۱۶۲۲ء میں انگریزوں کی مدد سے ایرانیوں نے اس کو پرتگالیوں سے واپس چھین لیا، اٹھارہویں صدی میں خود بندرگاہ عباس کا شہر ہرمز کی جگہ خلیج فارس کی بندرگاہ بن گیا) سیراف کے باشندے ایرانی تھے، سیراف اور بحرین کے مابین خلیج کا ایک ساکن حصہ ہے۔ جہاں اپریل اور مئی کے مہینوں میں موتی کے سوداگر کشتیوں میں جمع ہوتے ہیں۔ عرب غوطہ زن پانی میں سانس روک کر جاتے ہیں، اور خلیج کی تہ سے سیپیاں نکال لاتے ہیں، باہر لانے کے بعد ان سیپیوں کو کھول کر خشک ہونے دیتے ہیں، تو ان میں سے موتی برآمد ہوتے ہیں۔ غوطہ زن مختلف مدت تک بیک وقت پانی کے اندر سانس روک کر سکتے ہیں، جب تھک جاتے ہیں تو کمر سے بندھی ہوئی رسی کو ہلاتے ہیں۔ کشتی والے ان کو اوپر کھینچ لیتے ہیں۔ غوطہ زن اکثر و بیشتر ان سوداگروں کے

کے مقروض ہوتے ہیں ان کی پرورش کا یہی ذریعہ ہے، سیراف سے ابن بطوطہ بحرین کے خوشنما وسیع اور شاداب شہر کو گیا۔ کہتا ہے، کہ اگر وہاں کہیں ساحل کے قریب ہاتھ سے ذرا سا کھود جائے تو آب شیریں نکل آتا ہے، دھوپ اور ریت کی کثرت ہے وہاں سے وہ قطیف گیا، پھر ہجریا (الحصار) یہاں کھجوروں کی افراط ہے، پھر شہر یمامہ میں پہنچا، اس کے حاکم کی رفاقت میں حج کی غرض سے ۱۳۳۲ء میں مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ اس سال سلطان ابن منصور ملک الناصر نے اپنا آخری حج کیا، کہتے ہیں کہ الناصر کا بیٹا امیر احمد اور ساقی بک تیمور اس کے قتل کی سازش کر رہے تھے، جب سلطان کو اس کا علم ہوا تو دونوں کو قتل کروا دیا۔

باب (۴)

حج سے فارغ ہو کر ابن بطوطہ جدّہ گیا تا کہ جہاز پر یمن اور ہندوستان کا سفر کرے لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اس لئے مجبوراً جدّہ ہی میں چالیس دن ٹھہرا رہا۔ ایک جہاز قصیر جانے والا تیار تھا، لیکن اس کی حالت مخدوش دیکھ کر اس پر سفر کرنا مناسب نہ سمجھا، بعد کو اطلاع ملی کہ یہ جہاز سمندر میں غرق ہو گیا، اور بہت کم مسافر ڈوبنے سے بچ رہے۔ بالآخر ایذاب جانے کے ارادہ سے نکلا، مگر مخالف ہوا جہاز کو راس دوائر کی طرف لے گئی۔ وہاں سے وہ بیجا قوم کے چند لوگوں کے ساتھ ایذاب کے صحرا میں سے گذرا، پھر ایدفو ہوتے ہوئے وہ اور اس کے ہم سفر دریائے نیل کے راستہ قاہرہ پہنچے۔ وہاں چند روز ٹھہر کر راہی شام ہوئے، اور بار دیگر غازہ، ہیبرون، یروشلم، رملہ، عکہ، طرابلس اور جبلہ ہوتے ہوئے لاذقیہ پہنچے لاذقیہ سے جے نوآ (GENOA) کے ایک جہاز پر سوار ہو کر بلاد روم (اناطولیہ) کی طرف روانہ ہوئے جس کا بیشتر حصہ ان دنوں مسلمان ترکوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ جہاز کا مالک ایک عیسائی مرتمید نامی اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا، دس راتیں سمندر کے سفر میں کٹیں، مسلمانوں کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا گیا، یہاں تک کہ ان سے کرایہ نہیں لیا گیا،

بالآخر علائیہ میں آ پہنچے جہاں سے مسلمانوں کی یہ نئی سلطنت شروع

ہوتی تھی، ملک بہت خوش منظر لوگ خوش خوراک وخوش پوشاک تھے، عورتیں بے نقاب پھرتی تھیں۔ علاء الدین کیقباد اول (۱۲۱۹ء تا ۱۲۳۶ء) نے جو روم کے سلجوق سلاطین میں بڑا نامور بادشاہ گذرا ہے علائیہ کی بندرگاہ تعمیر کرائی تھی۔ یہاں جنگل بہت ہیں۔ قاہرہ اسکندریہ اور شام کے تاجر لکڑی خریدنے آیا کرتے تھے، شہر کے ایک مرتفع کنارے پر اس سلطان کا بنایا ہوا ایک عالیشان اور مضبوط قلعہ ہے۔ اس وقت شہر کا حکمراں یوسف بک ابن قرمان تھا، ابن بطوطہ قاضی شہر کے ساتھ اس کے سلام کے لئے گیا۔ وہ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور واپسی کے وقت سفر خرچ کے روپے بھی عنایت فرمائے۔

علائیہ سے وہ انطاکیہ (حال ادالیہ) گیا، شہر کو بہت وسیع اور خوش منظر پایا۔ آبادی بھی کثیر تھی، ہر ملت کے لوگوں کے لئے شہر کا ایک حصہ مخصوص تھا، عیسائی تجار کا محلہ مینا کہلاتا تھا، اس شہر میں پہلے تو یونانی (بازنطائنی) آباد تھے، مسلمانوں کے تسلط کے بعد شہر کے ایک علیحدہ محلہ میں جا بسے۔ اسی طرح یہودی بھی، بادشاہ اور اس کے درباری ملوک شہر کے ایک خاص حصہ میں مقیم تھے، عام مسلمانوں کی سکونت وسط شہر میں تھی، باغ بکثرت تھے، قمر الدین نام۔ ایک میوہ از قسم آلو بخارا بہت مزے دار تھا۔ مصر کو بڑی مقدار میں بھیجا جاتا تھا، اور اس شہر کا لیموں مصر میں اب بھی ادالیہ کے نام سے مشہور ہے، ابن بطوطہ شیخ شہاب الدین الحموی کے مدرسہ میں

مہمان رہا۔ اس زمانہ میں اناطولیہ کے ہر شہر میں اخوان کے نام سے مسلمان ترکوں کی ایک جماعت بڑی منظم حالت میں قائم تھی۔ مسافروں کی خبرگیری ان ہی کے سپرد تھی۔ اس کا دوسرا نام فتیان تھا۔ ہر شخص اپنی کمائی اپنے سرگروہ کے حوالہ کرتا تھا، وہ اس کو ضروری قومی و معاشرتی کاروبار پر صرف کرتے تھے۔ مسافروں اور حاجتمندوں کی ضروریات کی فراہمی اسی گنجایش سے کی جاتی تھی۔ انطاکیہ کی مہمانداری ایک نوجوان ترک کے تفویض ہوئی جو پیشہ کے لحاظ سے پنبہ دوز تھا، مگر بڑا ہی فراخدل اور بلند حوصلہ تھا، مہمان سراپا خانقاہ ترکی شالوں اور عراقی شیشہ کی قندیلوں سے آراستہ تھے۔ ابن بطوطہ کی پرتکلف ضیافت کی گئی، موسیقی کا بھی بطور خاص انتظام تھا۔

پھر و پرد دور ہوتا ہوا افریدوز پہنچا، یہاں کا سلطان بہت راست باز اور پابندِ صوم وصلوٰۃ تھا، اسی زمانہ میں اس کا ایک لڑکا مرگیا، سلطان اور مدرسہ کے طلباء کے ساتھ ابن بطوطہ بھی اس لڑکے کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، اس کو پا پیادہ دیکھ کر سلطان نے اس کے لئے ایک گھوڑا اور ملبوسات کافی نقد رقم کے ساتھ بطور عطیہ روانہ کیا، یہاں سے وہ قل حصار (یعنی تالاب والا قلعہ) دیکھنے گیا، وہاں جانے کا ایک ہی راستہ تھا، بوقت واحد صرف ایک شخص گھوڑے پر سوار جا سکتا تھا، اس شہر کا حاکم افریدوز کے سلطان کا بھائی تھا۔ اس نے ابن بطوطہ کے ساتھ چند سواروں کا محافظ دستہ متعین کیا تاکہ لاذق تک اس کو بے خوف

دخطہ پہنچا دے۔ شہر لاذقیہ میں سات جامع مسجدیں تھیں، اس کا روئی کا بنا ہوا سادہ اور سنہری تور کا کپڑا بہت دیرپا اور خوش وضع تھا۔ کپڑا بننے والی عورتیں اکثر یونانی تھیں، جو یا دائی جزیہ مسلمانوں کی محافظت میں رہتی تھیں اس شہر میں بھی وہ ایک اخی کا مہمان تھا۔ لاذوقیہ میں کچھ دنوں ٹھہر کر ایک کارواں کے ساتھ قلعہ توآس (TAWAS) کے پاس پہنچا، رات کو قلعہ کا دروازہ بند تھا، صبح بڑی احتیاط سے کھولا گیا، اور مسافر اس میں داخل ہو سکے، وہاں سے نکل کر وہ مغلا پھر لاس پہنچے۔ آخر الذکر شہر کے مسافرخانہ میں وہاں کے سرگروہ اخوان یا فتیان نے مسافروں کی اور بھی زیادہ پرتکلف دعوت کی۔ اس جگہ کا سلطان بڑا ہی اچھا حاکم تھا، اور علماء دین سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، حسب عمل در آمد سلطان سے انعام و اکرام حاصل کر کے ابن بطوطہ قونیہ گیا، یہ ایک بڑا شہر ہے اس کی عمارتیں شاندار باغوں اور نہروں سے آراستہ ہیں۔ سڑکیں بہت ہی کشادہ اور بازار بڑی باقاعدگی سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ اسکندر اعظم نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ اس وقت وہ سلطان الدین ابن قرمان کے ممالک میں شامل تھا، لیکن بعض اوقات بادشاہ عراق بھی (جس کا ملک متصل تھا) اس پر قابض ہوا تھا، ابن بطوطہ فتوہ کے ایک رکن ابن قلم شاہ نامی قاضی کی سرا میں ٹھہرا، فتیان اپنا سلسلہ حضرت علیؓ سے ملاتے ہیں۔ ان کا امتیازی لباس ایک خاص قسم کا پاجامہ تھا، جیسا کہ صوفیوں کا عبائے صدپیوند، اس سرا

میں ابن بطوطہ اور اس کے ساتھ دوسرے مسافروں کی سابقہ سراؤں سے بھی زیادہ مہمان نوازی کی گئی۔ قاضی نے خود اپنے لڑکے کو مہمانوں کے غسل کے لئے حمام بھجوایا، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فتوہ کی تحریک نے خاندان بنی عباس ۳۴ ویں خلیفہ الناصر باللہ (۱۱۸۰ء تا ۱۲۲۵ء) کے عہد میں زور پکڑا، خود الناصر نے ۱۱۸۲ء میں اس کی سرپرستی قبول کی، اور اس کا امتیازی لباس پہنا، بعض عیسائی مورخین کا یہ خیال کہ فتوہ کی تحریک عیسائی طریقہ شیولری (GHIVALRY) کی تقلید ہے۔ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ مغربی یورپ میں شیولری کی اہمیت صلیبی جنگوں کے بعد ہوئی۔ جبکہ ان کے حکمرانوں نے بلاد اسلام سے شکست کھا کر واپس ہونے کے بعد اپنے ہم وطنوں کو اسلامی تمدن و معاشرت کی بے شمار مفید باتیں سکھائیں۔

شہر میں شیخ جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ کا مقبرہ ہے، آپ اس وقت بھی مولینا کے لقب سے مشہور تھے، جلالیہ یا مولویہ فرقہ کا اناطولیہ میں بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ مولینا کی نسبت ابن بطوطہ اس وقت کی مشتہرہ روایت اس طرح بیان کرتا ہے کہ اوائل عمر میں وہ ایک بلند مرتبہ مذہبی عالم اور استاد تھے ایک دن مسجد کی درس گاہ میں شخص تیز مٹھائی لئے ہوئے آپہنچے اور تھوڑی سی مٹھائی مولینا کو دے کر وہاں سے چل نکلے۔ مولینا درس چھوڑ کر ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر مختلف شہروں میں گھومتے پھرے، آخر کار جب قونیہ واپس

آئے تو والہانہ فارسی اشعار کہتے جاتے تھے، مریدوں اور شاگردوں نے ان اشعار کو فراہم کیا، یہی ان کی مشہور و معروف مثنوی ہے۔ ہر پنجشنبہ کی شب کو مولویوں کے تکیہ میں اس کی قرأت ہوتی ہے، لوگ سن کر وجد کرتے ہیں اور دیر تک مراقبہ میں رہتے ہیں، مولانا رومؒ کا ورود قونیہ میں سلجوقی سلطان علاء الدین کیقباد اول کے عہد میں ہوا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، مولینا کی وفات کی تاریخ ۱۲۷۳ء ہے،

قونیہ سے نکل کر ابن بطوطہ لارندہ (حال کرمان) کی طرف روانہ ہوا، سلطان شکار سے واپس ہو رہا تھا، اس کو دیکھ کر ابن بطوطہ گھوڑے سے اتر پڑا اور سلام کیا، سلطان بھی اپنے کریمانہ اخلاق کے بموجب گھوڑے سے اترا اور ابن بطوطہ سے ملاقات کی۔ اس کو لے کر شہر میں داخل ہوا، اور اس کی بڑی خاطر تواضع کی۔ اس کے بعد ابن بطوطہ عراق کے بادشاہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ پہلے آق سرا گیا، جہاں بکرے کے بالوں سے قالین تیار کئے جاتے تھے، ہندوستان، چین اور بلادِ ترک میں ان کی بڑی مانگ تھی، وہاں سے وہ نقدہ پھر قیسار یہ گیا، آخر الذکر شہر میں نایب بادشاہ کی ایک خاتون (جو خود بادشاہ کی رشتہ دار تھی) رہتی تھی، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس نے ان کی اچھی مہمان داری کی وہاں سے یہ لوگ نایب بادشاہ علاء الدین ارتنہ کے مستقر سیواس پر پہنچے، علاء الدین نے ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا، اور جب وہ سیواس سے روانہ ہوئے تو ذیلی حکام کو ان کی سربراہی وغیرہ سے

متعلق احکام جاری کئے۔ اِس طرح انھوں نے اماسیہ کمشین جس کے چاندی کے معادن کی خاطر عراق اور شام کے تجار اکثر وہاں جایا کرتے تھے) ازرنجان (جہاں ارمنی بکثرت رہتے تھے) اور ارضِ روم کی سیاحت کی، دو ترکمان قوموں کی باہمی جنگ کی وجہ سے ارض روم اس وقت ویران ہو گیا تھا۔ ابن بطوطہ یہاں ایک اخی تومان بک کا مہمان بنایا گیا، جس کی نسبت مشہور تھا کہ ایک سو تیس برس کی عمر کا تھا، عصا کی مدد سے اب بھی وہ پیادہ پا پھرا کرتا تھا، اور پنجوقتہ نماز بڑی پابندی سے پڑھتا تھا۔

سفرنامہ کے بیان کے بموجب ابن بطوطہ یہاں سے اناطولیہ کے مغربی کنارہ کے قریب وادیِ کیسر کے شہر برگی (قدیم فیرجیون) کو گیا، (غالباً وہ ارض روم جانے سے پہلے ہی قونیہ سے اس طرف پلٹ گیا ہوگا، برگی میں محی الدین نامی ایک مشہور عالم رہتے تھے، مدرسہ میں ان کی قیام گاہ باغ اور نہروں سے آراستہ تھی۔ ابنِ بطوطہ ان سے ملنے گیا تو بڑی تواضع کی اور موقع کے لحاظ سے اس کی سکونت کے لئے ایک خرگاہ (لکڑی کے ستونوں پر نمدے کا بنا ہوا گنبد کی وضع کا بنا ہوا خیمہ) روانہ کیا، اس نواح کا سلطان اس وقت ایک پہاڑی مقام پر ٹھہرا ہوا تھا، محی الدین اور ابن بطوطہ سلطان کی فرمایش پر کئی بار اس سے ملنے گئے۔ وہ بھی ایک مرتبہ ان کی ملاقات کو آیا، کچھ دنوں بعد دونوں سلطان کی ہمراہی میں سلطان کے شہری ایوان کو گئے، شربت اور بسکٹ کی تواضع کے بعد سلطان نے ابن بطوطہ سے اچانک دریافت کیا کہ

آیا اس نے کبھی "پتھر" دیکھا جو آسمان سے گرا، اس نے کہا ایسا پتھر نہ کبھی دیکھا نہ سُنا، سلطان نے فرمایا، ہمارے شہر کے باہر ایک ایسا پتھر گرا اور میں تم کو دکھانا چاہتا ہوں، "پتھر" سامنے لایا گیا تو اندازاً کوئی ایک سو پارہ پونڈ وزنی تھا، سیاہ اور چمکدار، سلطان کے حکم سے چند پتھر پھوڑنے والے بلائے گئے، اور ان میں سے چار نے لوہے کے ہتوڑوں سے پتھر کو توڑنے کی کوشش کی، زور زور سے کئی ضربیں لگائی گئیں مگر کچھ اثر نہ ہوا، ابن بطوطہ حیران رہ گیا، بالآخر "پتھر" واپس بھجوا دیا، ابن بطوطہ اسی طرح شاہی محل میں کوئی چودہ دن رہا۔ ہر شب اس کے لئے کھانا، میوہ، مٹھائی، اور موم بتیاں بھیجی جاتی تھیں۔ جاتے وقت سلطان نے اس کو ایک سو اشرفی خلعتِ فاخرہ اور مائیکل نامی ایک غلام عطا کیا، اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح مناسب اور موزوں انعام و اکرام دے کر رخصت کیا، کہتا ہے یہ سب مدرسہ کے استاذ محی الدین کی سفارش کا نتیجہ تھا، اور ان کیلئے دعا کرتا ہے،

برگی سے نکل کر ابن بطوطہ اور اس کے ہمراہی تیرا ہوتے ہوئے ایاسلوق (قدیم افینس) کو گئے جو یونانیوں کا مقدس شہر تھا۔ اور اب

نوٹ، منجانب راقم الحروف۔ آسمان سے پتھر گرنے کا جو ذکر اوپر آیا ہے وہ یقیناً شہابی لوہے کا ٹکڑا ہوگا، اس لئے کہ ہتوڑوں سے مارنے پر بھی وہ نہیں ٹوٹا، شہابی پتھر اور لوہا کبھی کبھی آسمان سے گرتا نظر آتا ہے۔ خالص فلزی مادہ (لوہے اور نکل کی ساخت کا) زمین کے ابتدائی دور میں بکثرت گرا ہے۔ ظن غالب ہے کہ انسان پہلے یہی لوہا استعمال

برگی کے سلطان کے علاقہ میں شامل تھا، اس میں عیسائیوں کی ایک عبادت گاہ بڑے بڑے پتھروں کی بنی ہوئی عالی شان عمارت تھی، شہر کی جامع مسجد بھی کسی زمانہ میں عیسائیوں کی عبادت گاہ تھی، اب دنیا کی خوب صورت عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ نے اس شہر میں چالیس دینار دے کر ایک یونانی کنیز خریدی پھر وہ ازمیر (SMYRNA) پہنچا، جو صلیبیوں کی دست برد سے ویران ہو چکا تھا، شہر کے حاکم

میں لایا، تزک جہانگیری میں جالندھر کے ایک قصبہ میں اس قسم کا واقعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے۔ بتاریخ ۳۰ رفروری سنہ ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۱۶۲۲ء جہانگیر نے اس کی تاریخ "شعلہ برق بادشاہی" کہی، اس کے حکم سے شہاب کے ساتھ کچھ لوہا ملا کر دو تلواریں موسوم بہ "شمشیر قاطع" و "برق سرشت" ایک خنجر اور ایک چاقو یا چھرا بنائے گئے بیدل خاں شاعر نے نظم کہی۔

از شاہ جہاں گیر جہاں یافت نظام ؛ افتاد بعہداو زبرق آہن خام

زاں آہن شد بحکم عالم گیرش ؛ یک خنجر وکارد و دو شمشیر تمام

افسوس کہ انڈیا آفس سے بھی ان تلواروں کا کہیں پتہ نہ چل سکا، ترکی سلاطین مظاہر قدرت کا بڑی تفصیل کے ساتھ مطالعہ کرتے تھے، ابن بطوطہ نے خود چودھویں صدی عیسوی کے جس شہابی لوہے کا ذکر کیا ہے غالباً اس سے بھی ایسی تلواریں بنائی گئی ہوں گی۔ جامعہ موسکو کی رصد گاہ کے ایک ماہر علم ہیئت نے راقم کو اپنے ایک خط مورخہ ۲۷ رجولائی ۱۹۳۰ء میں لکھا تھا کہ شہابی لوہے کا بنایا ہوا

(عمر فرزند سلطان آیدین) نے اس کی تواضع کی انعام میں ایک نوجوان یونانی غلام نکولس نامی عطا کیا، اس وقت عمر عیسائیوں سے برسر پیکار تھا اس کے جنگی جہاز قسطنطنیہ کے قریب تک لڑتے ہوئے جاتے تھے، پاپائے روم کی درخواست پر جے نو آز (GENOA) اور فرانس کے عیسائیوں نے ازمیر کی بندرگاہ پر چڑھائی کی، عمر جنگ میں شہید ہو گیا۔ شہر عیسائیوں کے ہاتھ آیا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ (عیسائیوں نے ازمیر ۱۳۴۴ء میں ابن بطوطہ کے سفر کے کئی سال بعد فتح کیا۔) ابنِ بطوطہ پھر مغنیشیہ گیا اور نماز عید الاضحیٰ سلطان صرو خاں کے ساتھ پڑھی۔ یہاں اس کے ایک ہمراہی کا غلام گھوڑا لے کر بھاگ گیا، لیکن بعد کو گرفتار کر لیا گیا، پھر برغمہ کے ویران شہر میں سے ہوتے ہوئے بلکسری پہنچے جس کا سلطان دمور خاں ایک نامعقول آدمی تھا، یہاں ابنِ بطوطہ نے ایک یونانی لونڈی مارگیوریٹ نامی خریدی۔

<u>پھر بروسہ گیا، جس کے دو قدرتی گرم پانی کے چشمے بیماروں کے علاج</u>

ایک ترکی تیغہ لوموسوف کے عجائب خانہ میں موجود ہے، جس کی ابتدائی تاریخ کا ابھی پتہ نہیں چلا۔ راقم نے لندن کے مشہور رسالہ سائنس نیچر کی اشاعت مورخہ ۷ ر اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ابنِ بطوطہ کے اس بیان کی طرف اہلِ علم کو متوجہ کرا کر لوموسوف کے عجائب خانہ کے تیغہ کی ابتدائی تاریخ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، آکسفورڈ کی مشہور لائبریری بوڈلائن (BODLEIAN) میں تاریخ جرجان (مصنفہ حمزہ السہمی تاریخ تصنیف ۳۴۵ھ۔ تاریخ وفات ۴۲۷ھ) سے متعلق ایک مخطوطہ (FOL 877-887

کے لئے مشہور تھے، یہاں دو حمام بنا دیئے گئے تھے ایک عورتوں کیلئے دوسرا مردوں کے لئے، بروسہ میں ابن بطوطہ نے شیخ عبد اللہ نامی مصر کے ایک مشہور عابد سے ملاقات کی جس نے تمام بلاد اسلام کا (باستثنا رچین، لنکا، اسپین، اور مغربی افریقہ کے سیاہ اقوام کے ممالک) سفر کیا تھا، ابن بطوطہ نے بعد کو ان ممالک کی بھی سیاحت کی، اس لئے کہتا ہے کہ وہ بالآخر اس مشہور مصری سیاح پر سبقت لے گیا، بروسہ کا سلطان اسوقت اورخان رخاندان عثمانی سلاطین کا دوسرا بادشاہ) تھا جس نے اپنے باپ عثمان چوک کے ساتھ ۱۳۲۶ء میں یونانیوں سے بروسہ فتح کرنے کے بعد بارہ سال محاصرہ کرکے

میں بھی ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر درج ہے۔ جس میں سفیان بن عیینہ نے بحوالہ عبد الکریم الجرجانی (تاریخ وفات ۳۶۱ھ قریب ۹۷۱ء) بیان کیا ہے کہ میں ایک ایسا شہاب گرا لوگوں نے اس کو خلیفۂ وقت کے پاس بھیجا، اس نے اس کی تلوار بنانے کے لئے حکم دیا، جب اس کو آگ میں ڈالا تو پگھلا نہیں۔ عرب بادشاہوں اور ترکمان سرداروں کو ایسی باتوں سے بہت دلچسپی تھی، لومونوسوف کے عجائب خانہ کے تیغہ کی ابتدائی تاریخ کا ان دونوں واقعات کے ذریعہ ممکن ہے کہ پتہ چل جائے۔ قارئین کو مذکورہ بالا امور کی طرف اس لئے توجہ کی زحمت دی گئی کہ علم ہیئت کے اس شعبہ سے متعلق یورپ اور امریکہ کے ماہران سائنس کو انیسویں صدی کے شروع تک بھی صحیح معلومات حاصل نہ تھے، بڑے بڑے عالم آسمان سے شہابی مادے گرنے کو جہلاء کی من گھڑت روایت تصور کرتے تھے لیکن آٹھویں اور چودھویں صدی عیسوی کے مسلمان بادشاہ ان کی ماہیت سے بخوبی واقف تھے اور ان سے شمشیریں بطور یادگار بنواتے تھے۔

۱۳۲۹ء میں نیقیہ لے لیا، ایشیائے کوچک کے مسلمان ترکمان حکمرانوں میں عثمان اور اور خان سب سے بڑے بادشاہ تھے، بازنطانی حکومت سے لڑکر یکے بعد دیگرے متعدد شہر اور قلعے فتح کرچکے تھے، ابن بطوطہ نے اور خاں کو بچشم خود دیکھا اور اس کی بہادری کی تعریف کرتا ہے، نیقیہ ایک تالاب کے بیچ میں واقع ہے، شہر مضبوط اور باغات سے آراستہ تھا، یہاں اس کا قیام چالیس روز رہا۔ ترکی زبان نہ جاننے اور عربی داں ترجمان نہ ملنے کی وجہ سے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ پھر سقاریہ کا مشہور دریا عبور کرکے آگے کو بڑھے، پر غباری بھی ہونے لگی، جس سے ان کے مصائب اور بڑھ گئے، قینوق میں ایک یونانی عیسائی مذہب کی بڑھیا کے مکان میں ٹھہرنا پڑا، اس نے اس کو تاجر سمجھ کر زعفران کی ایک بڑی مقدار خریدنے کو کہا (جس کی وہاں اچھی کاشت ہوتی تھی) ابن بطوطہ نے معذرت کی، بعد کو جنگل میں راستہ بھٹک کر طرح طرح کی مصیبتیں سہنے کے بعد مسلمان درویشوں کی ایک خانقاہ میں پناہ لی۔ صبح کو یہاں سے نکل کر متردنی (صحیح مدرلو) پہنچے۔ ایک عربی داں حاجی سے ملاقات ہوئی، اس کو کچھ رقم دے کر قسطمونیہ تک (جو دس دن کا راستہ تھا) اپنے ساتھ چلنے کے لئے راضی کیا، حاجی لالچی تھا۔ ہر چیز میں من مانا روپیہ کمایا۔ جب بولی نام کے مقام پر پہنچے تو فتیان کی ایک خانقاہ میں اس کے ساتھ ایسا اچھا سلوک کیا گیا جیسا کہ عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دوسرے دن گرادی بوبی کے خوشنما شہر میں پہنچے، کھلے میدان پر واقع ہونے کی وجہ سے سردی بہت شدت کی محسوس ہوئی، مقامی حاکم خلیق اور راست باز تھا، ایک گھنٹہ تک ابن بطوطہ سے گفتگو کی اس کے لئے لباس اور زین و لگام سے سجا ہوا ایک گھوڑا بھجوایا، اسکے بعد برنبور یا لوپالو ہوتے ہوئے قسطمونیہ پہنچے جہاں اشیاء کی فراوانی تھی اور قیمتیں اتنی کم کہ ایسا کہیں اس کے دیکھنے میں نہیں آیا، ایک بہرے آدمی کی خانقاہ میں پہنچے قسطمونیہ کا سلطان مشہور سلیمان بادشاہ تھا، اس کا سن ستر سال سے متجاوز تھا، ابن بطوطہ کو اپنے دربار میں دائیں بازو بیٹھنے کو جگہ دی، اور ہر طرح سے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا، یہاں سے بحر اسود کے جنوبی بندرگاہ سنوپ (SNOPE) کو گئے، خشکی کی راہ سے شہر میں داخل ہونے کا صرف ایک دروازہ جانب شرق تھا، ابراہیم بک فرزند سلیمان پاشا کے اجازت نامہ بغیر کوئی شخص شہر کے اندر جا نہیں سکتا تھا، سنوپ بہت آباد، مضبوط، اور خوب صورت شہر تھا، اس کے باہر گیارہ قصبے یونانی عیسائیوں سے آباد تھے جامع مسجد بڑی دیدہ زیب عمارت ہے، سلطان پروانہ نے اس کو تعمیر کروایا تھا، اس کے مرنے پر اس کا بیٹا غازی چلپی اسکا جانشین ہوا، جب وہ مر گیا تو سلطان سلیمان نے اس پر قبضہ کر لیا، غازی چلپی بڑا بہادر سردار تھا، پیراکی میں بھی اس کو کمال حاصل تھا یونانیوں کو اس نے کئی مرتبہ شکست دی تھی، سرزمین کرائمیہ میں بحر اسود کے شمالی جانب قرم کے شہر کو جانے کے لئے موافق ہوا کے انتظار میں چالیس دن

تک سنوپ میں ٹھہرنا پڑا، رقم اس وقت کرائمیہ کے منگول گورنر کا مستقر تھا بعد کو ایک خودمختار ریاست کا پایۂ تخت بن گیا)

یونانیوں کا ایک مملوکہ جہاز کرایہ پر لے کر مزید گیارہ دن قیام کیا جب جہاز چلنے لگا تو تین رات بہ شدت کا طوفان اٹھا، اور سنوپ ہی کے قریب واپس لاکر چھوڑا، مطلع صاف ہوا تو پھر جہاز روانہ ہوا۔ ایک اور طوفان برداشت کرنا پڑا، بالآخر کرش کی بندرگاہ پر پہنچے جہاز اندر داخل ہوا چاہتا تھا کہ قریب کی پہاڑی پر سے چند لوگوں نے اشارے سے منع کیا، یہ خیال کر کے کہ گودی میں دشمن کے جہاز ٹھہرے ہوں گے جہاز ساحل کے پاس سے چلا گیا، ابن بطوطہ نے خفچاق کی سبزہ زار کا دلفریب منظر دیکھ کر مالک جہاز سے درخواست کی کہ اس کو خشکی پر اتار دیا جائے۔ یہ وسیع ملک سلطان محمد اوزبک کے علاقہ میں تھا تیرھویں صدی کی منگول بادشاہتوں کے چار مشہور ممالک میں سے خفچاق کی خانی بعید ترین مغربی جانب واقع تھی، اس کے بادشاہ زریں اردو کے مغل خانوں کے نام سے بھی منسوب تھے، اس کے دو حصے ہو چکے تھے، ایک نیلے اردو والوں کا علاقہ تھا، دوسرا سفید اردو والوں کا، ان میں اول الذکر بہت طاقتور تھے، دریا ئے ڈان اور والگا پران کا تسلط قائم تھا، ان کے مقبوضات خیوا (KHISVE) اور کوہ قاف سے لے کر بحیرہ ایرل (ARAL) اور خیوا تک پھیلے ہوئے تھے، سلطان محمد اوزبک نے ۱۳۱۲ء سے ۱۳۴۰ء تک سلطنت کی اور نیلے اردو کے اکابر سلاطین میں سے تھا) جہاز سے اترنے کے دوسرے

دن ایک تاجر نے خفچاق کے اصل عیسائی باشندوں سے ایک گاڑی کرایہ پر لی، یہاں کے مسطح میدانوں میں سفر کرنے کا یہی طریقہ ہے، یہ میدان (مراعی ر STEPPES) چھ مہینے کی راہ تک پھیلے ہوئے تھے، ان میں کہیں بھی درخت نہ تھا، جلانے کے لئے مویشیوں کا گوبر استعمال ہوتا تھا، چھوٹے بڑے سب کے سب کمر سے کپڑا باندھ کر گوبر چنتے اور جمع کرتے پھرتے تھے، ابن بطوطہ اور ان کے ساتھی بمقام (کفا) حال فیوڈوسیہ) مسلمانوں کی ایک مسجد میں ٹھہرے، (تیرھویں صدی عیسوی کے ختم پر جنیوآ (GENOA) کے جہاز راں تجار نے بحر اسود کے شمال مغرب میں اس جگہ اپنے لئے ایک بڑی تجارتی بندرگاہ بنالی تھی کفا عیسائیوں سے آباد تھا، جن میں زیادہ تر جنیوآ کے لوگ تھے، ان کا گورنر دمدیر (اطالوی ڈیمٹرلو) کہلاتا تھا، ایک گھنٹہ کے بعد چاروں طرف سے گھنٹے بجنے کی آواز سنائی دی، ابن بطوطہ نے گھبرا کر اپنے ساتھیوں کو مسجد کے مینار پر چڑھ کر اذان دینے اور آیات قرآنی پڑھنے کے لئے کہا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، یکایک ایک شخص زرہ بکتر پہنے ہتھیار باندھے مسجد میں آیا اور ان کو سلام کیا، وہ وہاں کا قاضی تھا، کہنے لگا کہ اذان اور تلاوتِ قرآن کی آواز سن کر وہ گھبرایا کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں پر کفار کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے، دوسرے دن حاکم شہر ملنے آیا اور ان کی ضیافت کی، پھر انھوں نے شہر کو گھوم کر دیکھا، بندرگاہ بڑی عالیشان تھی، کوئی دو سو جہاز چھوٹے بڑے جنگی و تجارتی گودی میں لنگر انداز تھے۔

ابن بطوطہ کا سفر اناطولیہ
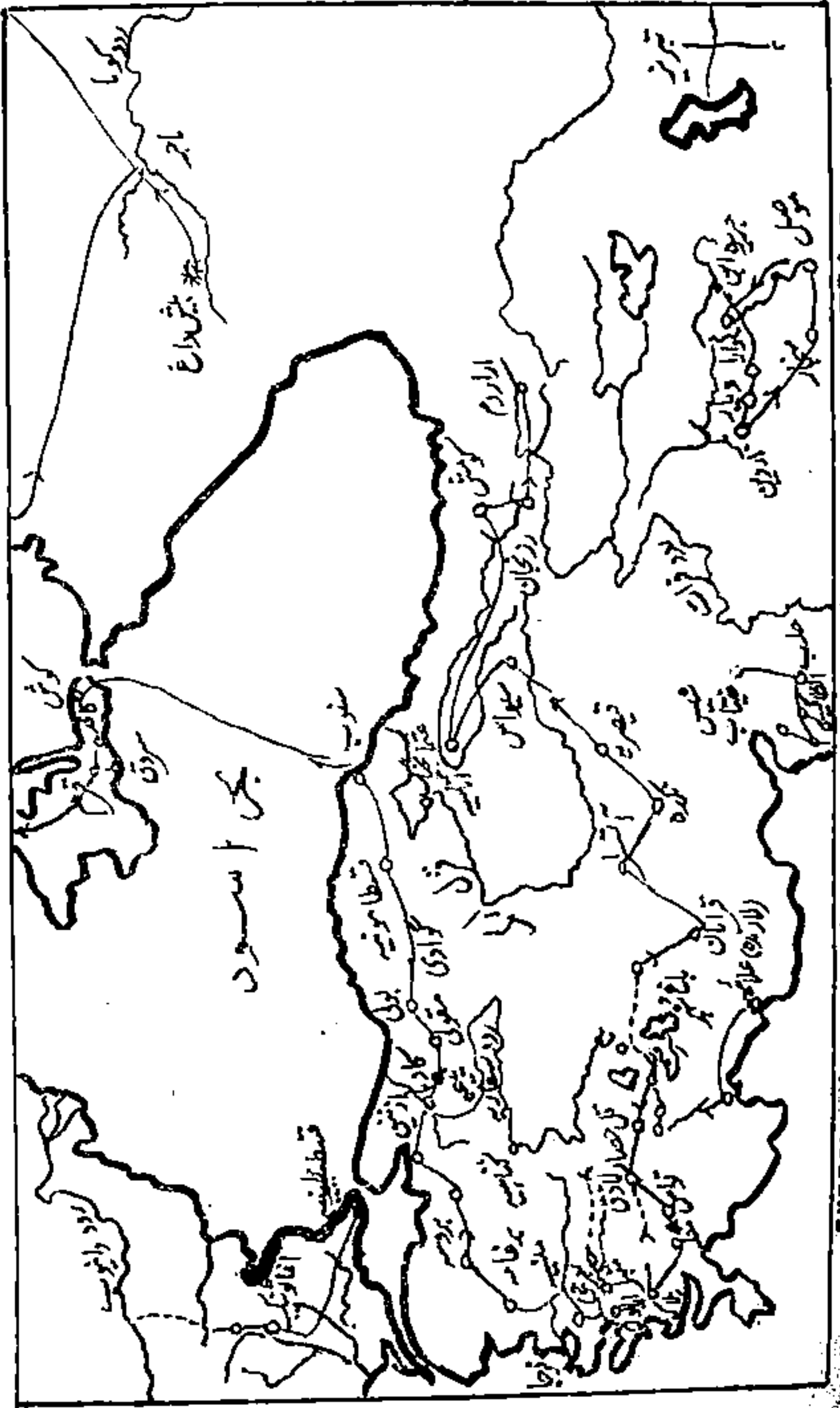
SKETCH MAP OF ANATOLIA TO ILLUSTRATE IBN BATTUTAS TRAVELS

ابن بطوطہ اپنے ساتھیوں کے۔۔۔۔۔۔۔ ساتھ یہاں سے ایک گاڑی
کرایہ کرکے قرم کو گیا۔ یہ بھی سلطان محمد اوزبک خاں کے ممالک میں داخل تھا،
حاکم شہر کا نام تولوک تیمور تھا۔ چونکہ وہ اس وقت بیمار تھا اپنی طرف سے بطور
نائب مسجد کے پیش امام کو گھوڑا دے کر بھیجا، جب یہ اس سے ملنے گئے تو بڑے
اخلاق سے پیش آیا، کئی تحفے عطا کئے، حاکم ملک کے پایۂ تخت، سرا کو
جانے والا تھا، ابن بطوطہ بھی اس کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے
سفر چار پہیے کی گاڑی پر ہوتا تھا، دو یا زیادہ گھوڑے، بیل یا اونٹ
گاڑی کھینچتے تھے، ہانکنے والا چار جانوروں کو چلاتا تھا، گاڑی پرندے یا
بانات کا ایک ہلکا سا خیمہ ایستادہ کردیا جاتا، خیمہ کی کھڑکیاں جالی دار تھیں۔
اندر سے باہر کی چیز صاف دکھائی دیتی تھی۔ لیکن باہر سے اندر کی کوئی شے
نظر نہیں آسکتی تھی، مسافر خیمہ کے اندر آرام کے ساتھ سفر کرسکتے
تھے، کھانے پینے سونے بیٹھنے لکھنے پڑھنے سب باتوں کا انتظام تھا۔
سامان کی گاڑیوں کے خیمے مقفل کردیئے جاتے تھے، ابن بطوطہ اور
اس کے ساتھی امیر تولوک تیمور، اس کے بھائی اور دو بیٹوں کے ساتھ روانہ
ہوئے، فرودگاہ پر جانور کھول دیئے اور پوری آزادی سے چرنے کو
چھوڑ دیئے جاتے تھے، ملک کا دستور ایسا سخت تھا کہ کوئی شخص کسی
دوسرے کا جانور چرا نہیں سکتا تھا، غذا میں کوئی جامد یعنی ٹھوس چیز کھائی
نہیں جاتی تھی، اناج کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے شوربے کی شکل میں پکائے
جاتے، گھوڑی کے دودھ کا دہی جو قومز کہلاتا تھا اس کے ساتھ پیا جاتا تھا،

ترک بوزہ کا استعمال حلال سمجھتے تھے، مزہ میں تلخ تھا، مٹھائی ان کو پسند نہ تھی ماہ رمضان میں ایک دن ابن بطوطہ نے اپنے ایک ساتھی کی بنائی ہوئی مٹھائی سلطان اوزبک کی خدمت میں پیش کی تو اس نے اس کو صرف انگلی سے چکھ کر رکھ دیا ۔۔

اٹھارہ منزل چلنے کے بعد ابن بطوطہ نے امیر اور اس کے متعلقین سر پہلے ٹاگن روگ (TAGANROD) کے مغرب میں دریائے میوس (MIUSS) کے دہانے کو پورے ایک دن میں عبور کیا، تین دن چلنے کے بعد ازاق (AZOQ) کی بندرگاہ میں پہنچا، (یہ شہر دریائے ڈان (DON) پر واقع ہے ۱۶۹۶ء میں پیٹر زار روس نے اس کو ترکوں سے چھین لیا،) امیر نے اس کے ساتھ اپنا ایک خط حاکم شہر کے نام بھیج دیا تھا۔ اس کو پڑھ کر حاکم قاضی اور طلبہ کے ساتھ اس سے ملنے آیا، کھانے کی دعوت دی، بعد فراغت شہر کے باہر خیمہ میں ٹھہرا، اس بندرگاہ میں کبھی جنوآ اور دیگر عیسائی اقوام کے جہازات اکثر آیا کرتے تھے، دو روز بعد امیر خود آپہنچا، رنگین ریشم کے ایک خاص خیمہ میں اس کی ضیافت کی گئی، پاپیادہ چلتے وقت اس کے راستہ میں ریشمی کپڑا بچھایا جاتا تھا، امیر نے از راہ مہمان نوازی وکرم فرمائی، ابن بطوطہ کو اپنے سے بھی آگے چلنے کو کہا، جب بیٹھا تو خود اپنی کرسی پر اس کو بٹھایا اور آپ اس کے بازو بیٹھا، اس کے دونوں بیٹے، بھائی اور بھتیجے باادب سامنے کھڑے رہے، ضیافت کے بعد حاکم شہر کی جانب سے امیر اور اس کے متعلقین کی خدمت میں ملبوسات اور

گھوڑے بطور نذر پیش کئے ابن بطوطہ کو بھی ایک گھوڑا دیا گیا، اس ملک میں گھوڑوں کی بڑی افراط ہے، ان کی قیمتیں بہت کم ہیں، ایک اچھا گھوڑا مراکش کے دینار کو بھی مل جاتا تھا، ملک کے باشندوں کی زندگی ہی گھوڑوں پر موقوف تھی، ایک ایک شخص کے پاس گھوڑے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ چھ چھ ہزار کا ایک جھنڈا ہندوستان بھیجا جاتا تھا، ہر پچاس گھوڑوں کا ایک رکھوالی تھا، سندھ پہنچنے تک بہت سے گھوڑے مر جاتے، یا چوری ہو جاتے تھے، سندھ میں سات نقرئی دینار محصول ادا کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ملتان میں بھی محصول تھا، مسلمان تاجروں سے ڈھائی فیصدی زکوٰۃ لی جاتی تھی، اور غیر مسلم سے دس فی صدی محصول! اس کے باوجود سوداگر اچھا نفع کما لیتے تھے، اقل قیمت ۲۵ مراکشی دینار (قریب ایک سو ہندی دینار) تھی، اچھے گھوڑے کی قیمت پانچ سو دینار یا اس سے زیادہ بھی ہوتی تھی، ہندوستان میں یہ گھوڑے فوج اور دیگر جنگی خدمات کے لئے خریدے جاتے تھے، شرط کے گھوڑے یمن، عمان اور فارس سے آتے تھے اور ان کی قیمت فی اسپ ایک ہزار یا چار ہزار دینار تھی۔

ازاق سے ابن بطوطہ امیر کے پیچھے پیچھے سفر کرتا ہوا ماجر پہنچا، یہ کوماندی پر استرخان کے جنوب مغرب میں ترکوں کا بڑا ہی اچھا شہر تھا (اب کھنڈر بنا پڑا ہے)، ماجر کے بازار میں ایک یہودی نے اس سے ملاقات کی اور عربی میں کہا کہ وہ اسپین سے قسطنطنیہ، اناطولیہ، اور سرکیشیا ہوتا ہوا خشکی کی راہ

سے دہاں آیا تھا، پورے چار مہینے سفر میں کٹے، ترکوں کے ملک میں عورتوں کی مردوں سے بھی زیادہ عزت کی جاتی تھی، پہلی شہزادی جو ابن بطوطہ نے دیکھی قرم سے نکلتے ہوئے امیر کی بیوی تھی جو بیش بہا اونی کپڑوں سے ڈھکی ہوئی گاڑی میں سفر کرتی........ اس کے خیمے کے دروازے اور دریچے کھلے تھے، خواص میں کئی ایک خوبصورت جوان عورتیں تھیں۔ جب امیر کے خیمے کے پاس سے گاڑی سے اُتری تو تیس لونڈیوں نے اس کے دامن کو حلقے پکڑ کر زمین سے اٹھالیا اور وہ اس طرح بڑے تزک و احتشام سے چلنے لگی، امیر اس کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے بازو بٹھالیا، تومز کے مشک لائے گئے۔ ایک پیالہ میں تھوڑی سی ڈال کر امیر کے سامنے دوزانو بیٹھ کر پیش کی اس کے بعد اس کے بھائی کو ایک پیالہ عطا کیا، امیر نے بھی ایک پیالہ تومز ڈال کر شہزادی کو پلایا، پھر دونوں نے مل کر کھانا کھایا، امیر نے شہزادی کو ایک قیمتی لباس عطا کیا، اور وہ خیمہ سے رخصت ہوئی، عورتوں کے لباس کے مقابلہ میں مردوں کا لباس بہت سادہ ہوتا ہے بکرے کے بالوں کا ایک جبا، اسی کی ایک اونچی ٹوپی اور بس۔

سلطان محمد اوزبک اس وقت بیش داغ (یعنی پانچ پہاڑ) میں ماجر سے چار دن کی راہ پر تھا، ان پہاڑوں میں گرم پانی کا ایک چشمہ تھا جس میں ترک صحت کے خیال سے نہایا کرتے تھے، سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیاری کی گئی، پہلی رمضان کو ابن بطوطہ وہاں پہنچا جبکہ سلطان ماجر کی طرف واپس لوٹنے کا حکم دے چکا تھا، ابن بطوطہ بھی واپس

لوٹا۔ اور ایک ٹیلہ پر اپنا خیمہ نصب کر کے اس کے سامنے ایک پھریرا قائم کیا۔ اپنے گھوڑوں اور گاڑیوں کو خیمے کے پیچھے ترتیب دیا، جب سلطان کا اردو (جس کو عراق میں محلّہ کہتے تھے) وہاں آپہنچا تو ایسا معلوم ہوا کہ ایک بڑا شہر منتقل ہو رہا تھا، ملازمین، مساجد، بازار، باورچی خانے سب گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے، پکوان بھی چلتی گاڑیوں پر ہوتا تھا، سلطان کی خواتین جب ابن بطوطہ کے خیمہ سے گذریں تو چوتھی خاتون نے ٹیلہ پر پھریرا دیکھ کر پہچانا کہ کوئی نووارد آیا ہے۔ ملازمین کو اس کے پاس بھیج کر استفسار کیا، اس نے بھی خاتون کی خدمت میں ایک تحفہ شکریہ کے ساتھ پیش کیا۔ خاتون نے اس کو برکت کی علامت تصور کر کے قبول فرمالیا اور ابن بطوطہ کو اپنی محافظت میں لے لیا، پھر سلطان اور اس کا اردو ایک الگ جگہ پر اترا،

محمد اوزبک خاں ایک بڑا ہی اولوالعزم بادشاہ تھا۔ اس کی حکومت دور دور کے ممالک تک پھیلی ہوئی تھی، اس نے قسطنطنیہ کی بازنطانی حکومت سے جنگ کر کے بہت سے علاقے فتح کر لئے تھے۔ اس کا شمار اسوقت کی دنیا کے سب سے بڑے سات بادشاہوں میں تھا، (۱) سلطان مراکش جس کو ابن بطوطہ امیر المومنین کہتا ہے) (۲) سلطان مصر و شام، (۳) عراقین، (۴) سلطان محمد اوزبک (۵) سلطان ترکستان و ممالک ماوراء جیحون، (۶) سلطان ہند، (۷) بادشاہ چین۔ دوسرے دن سلطان اوزبک کے دربار عام میں حاضر ہوا۔ روزہ افطار کر کے سلطان کے ساتھ کھانا کھایا، ممالک بھر سے آنے والوں کے ساتھ ترک نقد روپیہ

کا سلوک نہیں کرتے تھے، بلکہ بکرے، گھوڑے اور قومز کے مشک نذ بھیج دیتے تھے ہر جمعہ کو بعد نماز بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان سنہری خیمہ میں تخت پر جلوہ افروز ہوتا تھا، لکڑی کا تخت سنہری، و رو پہلی پہیوں سے آراستہ، جواہرات سے مرصع، خالص چاندی کے پاؤں پر ایستادہ وہ خیمہ کے عین بیچ میں سلطان کے بیٹھنے کے لئے رکھا جاتا تھا، اس کے سیدھے جانب خاتون طغطغلی اور اس کی برابر خاتون کبک بیٹھی تھی، بائیں جانب خاتون بیالون اور اس کی برابر خاتون اردوخا کی نشست تھی، تخت کے نیچے سیدھی جانب سلطان کا بڑا لڑکا کھڑا ہوتا تھا اور بائیں جانب چھوٹا، سلطان کی لڑکی اس کے سامنے بیٹھتی تھی، ہر خاتون کی آمد پر سلطان اٹھتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس کی مقررہ نشست پر بٹھاتا تھا، یہ سب کچھ کھلے دربار میں ہوا کرتا تھا۔

سلطان کے دربار میں پیش ہونے کے دوسرے دن صبح کو ابن بطوطہ سب سے بڑی خاتون طغطغلی کی خدمت میں حاضر ہوا جو اصل سلطانہ اور دو شہزادوں کی ماں تھی، اس کے گرد و پیش دس بوڑھی اور پچاس جوان عورتیں زمرۂ ملازمین سے میوہ (از قسم آڑو) بیٹھی چھیلتی تھیں، سلطانہ کے سامنے بھی ایک سنہری تھالی اسی میوہ سے بھری رکھی تھی اور وہ بھی اسی کام میں مشغول تھی، اس نے ابن بطوطہ کے لئے قومز منگوائی، آنے کے بعد ایک پیالہ خود اپنے ہاتھ سے بھر کر اس کو دیا، ابن بطوطہ نے شکریہ ادا کیا، اور اس کے پینے کی کوشش کی

مزہ تلخ پاکر اپنے ایک ساتھی کو دے دیا، دوسرے دن دوسری خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا وہ تلاوتِ قرآن میں مصروف تھی وہاں بھی قوموز عطا فرمائی گئی، تیسری خاتون بیالون قسطنطنیہ کے بازنطینی شہنشاہ (انڈرونکیس سوم) کی بیٹی تھی، اس شہنشاہ کی عمر ۱۳۳۱ء میں ۲۵ سال کی تھی یونانی تاریخوں میں ازبک اردو کے کسی خان کو بادشاہ کی بیٹی بیاہی جانے کا ذکر درج نہیں ہے لیکن کم از کم بازنطانتنی کے شہنشاہوں کی خواصوں کی لڑکیاں بیاہی گئی ہیں، ابن بطوطہ جب اس خاتون کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ زروجواہر سے مرصع ایک تخت پر بیٹھی تھی، کئی نوجوان عورتیں یونانی ترکی اور حبشی اس کے اطراف حاضر تھیں، ابن بطوطہ کے دور دراز سفر کا حال معلوم کرکے بڑی ہمدردی ظاہر کی، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، (شاید خود اپنا وطن اس کو یاد آیا ہوگا،) رومال سے منھ پونچھ کر کھانا منگوایا اور ابن بطوطہ کو کھلوایا، دوران سفر میں اکثر آتے رہنے اور اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے فرمایا، جب وہ اپنے خیمہ کو واپس ہوا تو خاتون نے متعدد گھوڑے، روپے سکے اور کپڑے پارچات عطا فرمائے، وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اکثر خاتون کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کا بہت مشکور تھا۔

ابن بطوطہ اپنے سفر بلغار کا ذکر کرتا ہے، یہ شہر تیرہویں صدی عیسوی میں دریائے والگا کے بائیں کنارے قریب سنگم دریائے کاما، تاجر سے کوئی آٹھ سو میل دور منگول سرداروں کے علاقہ میں تھا، روس خصوصاً

سائبیریا کی پیداوار زیادہ تر پوستین کی تجارت کا بڑا مرکز تھا، اب کھنڈر پڑا ہے) یورپی مستشرقین کو ابن بطوطہ کے اس حصۂ سفر کے یقین کرنے میں تامل ہے اس لئے کہ آٹھ سو میل کا فاصلہ دس دن میں طے کرنا اور وہ بھی آہستہ چلنے والی گاڑیوں کے ذریعہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ ابن بطوطہ یا تو بھول گیا کہ اس نے یہ سفر کب اور کتنے دن میں کیا یا واقعہ نویس سے کچھ سہو ہو گیا ہے، ابن بطوطہ مارکو پولو کی طرح شیخی باز نہ تھا، اگر وہ بلغاریہ نہ گیا ہوتا تو صاف کہہ دیتا کہ اس شہر بلغاریہ کی پوستین کی تجارت کے متعلق فلاں فلاں قصے مشہور تھے) سفرنامہ کے بیان کے بموجب ابن بطوطہ سلطان سے اجازت لے کر راستہ بتانے والوں کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں بلغاریہ پہنچا، افطار کے بعد نماز مغرب و نماز صبح کے بیچ میں صرف نماز عشاء پڑھنے ہی کا وقفہ ملتا تھا، وہاں تین دن ٹھہرا اس موسم میں شمالی سائبیریا کے برِ تاریکی کی طرف جانے کا خیال کیا، لیکن چالیس دن کا سفر اور وہ بھی محض بے سود اس لئے ارادہ فسخ کر دیا، اس ملک کو جانے والے برف و یخ پر سلیجون (بے پہیوں کی پھسلواں گاڑیوں) پر جاتے ہیں، کھینچنے کے لئے صرف کتے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ جن کے پنجوں کے ناخن برف میں دھنسنے کی وجہ سے ان کے پاؤں پھسل نہیں سکتے۔ تجربہ کار کتا ہی سفر میں رہنمائی کرتا ہے، اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا جا سکتا، چالیس دن کے سفر کے بعد سوداگر اپنے سامان کے ڈھیر لگا کر چھپ

جاتے ہیں، دوسرے دن ان ڈھیروں کے مقابل بطور معاوضہ مناسب مقدار میں پوستین چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اگر تاجر اس معاوضہ کو کافی تصور کرتا ہے تو پوستینوں کو اٹھا لیتا ہے، اور اپنا سامان چھوڑ جاتا ہے۔ اگر کافی نہیں سمجھتا تو نہیں اٹھاتا، بَرِاَتار یکی کے باشندے اسکے دوسرے دن یا تو اپنے پوستینوں کے ڈھیر میں اضافہ کرتے ہیں ورنہ ان کو واپس لے جاتے ہیں، خرید و فروخت کا اسی طرح انتظام عمل میں آتا ہے، تجار معلوم نہیں کر سکتے کہ کن لوگوں سے تجارت کی جاتی ہے۔

باب (۵)

۲۸ رمضان کو جب ابن بطوطہ بلغار سے واپس ہوا تو سلطان کا اردو پیش داغ چلا گیا تھا، عید الفطر کی رسوم ادا ہونے کے بعد وہ سلطان کی ہمراہی میں حاجی ترخان (استرخان) پہنچا جو بحرالخضر (CASPIANSEA) پر واقع ہے۔ یہاں دریائے اتیل یا والگا (ITILOL VOLGA) کا دہانہ ہے بہت بڑا اور خوبصورت شہر ہے، بازار وسیع ہیں جاڑے کے موسم میں دریائے والگا کا پانی منجمد ہو جاتا ہے، اور لوگ اس پر سلیجوں میں سفر کرتے ہیں۔ جاڑے کے ختم پر یخ پگھلنے لگتا ہے اور بعض اوقات سارا کارواں ڈوب جاتا ہے، خاتون بیالون حاملہ تھی، یہاں پہنچ کر اپنے باپ کے پایۂ تخت قسطنطنیہ کو زچگی کے لئے جانا چاہتی تھی۔ اور سلطان سے اس کی اجازت حاصل کی، ابن بطوطہ نے اس کے ساتھ جانے کی درخواست کی، کسی قدر تامل کے بعد (اس خیال سے کہ شاید کفار کے ملک میں اس کو ضرر پہنچے گا) اجازت ملی، چلتے وقت سلطان کی طرف سے اس کو پندرہ سو دینار اور کئی گھوڑے مع لباسِ فاخرہ عطا ہوئے، ہر ایک خاتون نے چاندی کے ڈلے (جو خرید و فروخت میں بطور مبادلہ استعمال ہوتے تھے) عنایت کئے، سلطان کی لڑکی نے ان سے بھی زیادہ قیمت کا سامان عطا فرمایا۔

ابن بطوطہ دسویں شوال کو خاتون بیالون کی محافظت میں روانہ ہوا۔ سلطان، اصل سلطانہ اور ولیعہد ایک منزل تک اس کے ساتھ گئے

دوسری خواتین دو منزل تک جا کر لوٹ آئیں، امیر بیدرہ پانچ ہزار فوج کے ساتھ خاتون بیالون کو وطن پہنچانے کے لئے متعین ہوا، خود خاتون کی سپاہ پانچ سو سواروں پر مشتمل تھی جن میں دو سو یونانی تھے اور بقیہ ترک، کوئی دو سو عورتیں (زیادہ تر یونانی) اس کی خدمت میں تھیں، تقریباً دو سو گاڑیاں، دو ہزار سواری اور گاڑی کے گھوڑے، تین سو بیل اور سو اونٹ ساتھ تھے دس یونانی نوجوان اور راستے ہی ہندوستانی تھے۔ یونانیوں کا سردار مائیکل نامی ایک بہادر شخص تھا، ترک اس کو لولو پکارتے تھے، ہندوستانیوں کا صدر سنبیل کے نام سے مشہور تھا، پہلے اکاک پہنچے، یہاں سے ایک روز کے راستہ پر روس کے پہاڑ ہیں، روسی بڑے ہی بدصورت اور دغاباز سمجھے جاتے تھے، ان کے ملک میں چاندی کے معادن تھے جہاں سے چاندی کے ڈلے لائے جاتے تھے ہر ایک ڈلا پانچ اونس کا ہوتا تھا، (اس سفر کا راستہ جو ابن بطوطہ نے بتایا ہے بڑی مشکل سے سمجھ میں آتا ہے، اسی طرح چین کے سفر کا راستہ بھی جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ بیس برس کے بعد غیر مانوس مقامات کے نام اور راستوں کی تفصیل اس کے حافظہ سے نکل گئے ہوں گے اس لئے ان کا صحیح پتہ چلانا انتہا درجہ مشکل ہے،

اکاک سے دس رات سفر کرنے کے بعد سُرداق پہنچے، جو صحرائے خفچاق کے ساحل پر بہترین گودی رکھتا ہے، اس میں ترکوں کی حکومت ہے، یونانی ان کے تابع ہیں، ہر مقام پر خاتون کی خدمت میں مقررہ تحائف پیش ہوتے تھے اور ہر حاکم اس کو اپنے علاقہ کی سرحد تک پہنچاتا تھا۔

بالآخر ترکی سرحد کے آخری شہر بابا سلطوق کو گئے، جو ایک مسلمان بزرگ کے نام سے بہت متبرک سمجھا جاتا تھا، (ابن بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے یہ مقام دریائے نیپر (DNIPER) اور کریمیہ کے درمیان کہیں واقع تھا۔ مستشرقین کا خیال ہے کہ وہ ۱۳۰۹ء میں بمقام باباداغ مولڈیویا میں منتقل کیا گیا، ترکوں کا یکتاش فرقہ اسی سے متعلق تھا، یہاں سے یونانیوں کی سرحد تک پہنچنے کے لئے اٹھارہ دن ایک غیر آباد صحرا میں سے سفر کرنا پڑا۔ جس میں آٹھ دن بے آب خطہ میں سے گذر ہوا اس لئے کافی پانی ساتھ لے لیا گیا تھا، جاڑوں کا موسم ہونے کی وجہ سے پانی کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ الحمد للہ بالآخر یونانی سرحد کے قلعہ مہتولی پر پہنچے (شائد اس کا صحیح نام کوولی حال جیمبولی ہے) خاتون کی آمد کی یونانیوں کو اطلاع ہو چکی تھی، سردار (کفالی) نیکولس ایک بڑی فوج اور تحائف کے ساتھ اس کو لینے کے لئے حاضر ہوا اس کے ساتھ شہنشاہ کے محل سے شہزادیاں اور دائیں وغیرہ بھی آئیں، ابن بطوطہ کے ساتھی اس کی خواصیں وغیرہ سرحدی مقام پر ایک مکان میں اس کی واپسی تک کفالی کی محافظت میں چھوڑ دیئے گئے۔ ترکی سردار بیدرہ بھی وہیں ٹھہر گیا، صرف یونانی ہی خاتون کے ساتھ آگے روانہ ہوئے، سفری مسجد بھی وہیں چھوڑ دی گئی، اور اذان بھی موقوف کردی گئی، المختصر خاتون نے تمام اسلامی طریقے متروک کر دیئے، بلکہ شراب اور ممنوعہ گوشت استعمال کرنے لگی۔ صرف ابن بطوطہ اور ایک ترک اس کے ساتھ رہ گئے، یہی نماز پڑھا کرتے تھے، خاتون نے کفالی

کھالی کو حکم دے رکھا تھا کہ ان کی مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا، اس کے بعد وہ ایک پہاڑی کے نیچے تیز روندی استاقلی کے بازو مسلمہ بن عبدالملک کے قدیم قلعہ پہنچے، اس وقت وہ کھنڈر رہ گیا تھا، کئی نہروں، غالباً سمندر کی شاخوں سے گذرتے ہوئے فنیقہ (FANIKA) کے چھوٹے مگر بہت ہی خوب صورت شہر میں آپہنچے یہاں خاتون نے تین رات اپنے باپ کے محل میں قیام کیا۔

پھر خاتون کا بھائی کھالی قراس پانچ ہزار زرہ پوش اور پوری طرح مسلح سواروں کے ساتھ اس سے ملنے آیا، اس کا لباس سفید اور سر کے اوپر مرصع چتر تھا، دائیں اور بائیں طرف پانچ پانچ شہزادے سفید لباس پہنے مرصع چتروں سے آراستہ تھے، ابن بطوطہ نے ان سرداروں، ان کے ہتھیاروں اور سپاہیوں کی بڑی تفصیل دی ہے۔ قرون وسطیٰ کے عیسائی جنگجوؤں کے حالات سے دنیائے اسلام مختلف ذرائع سے واقف ہو چکی ہے اس لئے اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، بھائی بہن کی ملاقات کا بھی بڑی صراحت کے ساتھ ذکر درج ہے، شہزادہ عمر میں اپنی بہن سے چھوٹا تھا اس لئے گھوڑے پر سے اتر کر خاتون کے رکاب کو بوسہ دیا، اس نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا، دوسرے شہزادوں اور سرداروں نے بھی گھوڑوں سے اتر کر خاتون کی رکاب کو چوما، دوسرے دن ایک اور پر فضا اور شاداب شہر میں ولی عہد سلطنت ملنے آیا، اس کے ساتھ دس ہزار مسلح سوار تھے، اسکے

سر پر تاج تھا، دونوں بازو کوئی بیس بیس شہزادے تھے، خاتون پہلے کی طرح ریشمی لباس اور بیش قیمت زر وجواہر کے زیورات زیب تن کئے ہوئے تھی. ایک ریشمی خیمے کے اندر دونوں کی ملاقات ہوئی جس کی تفصیل ابن بطوطہ کو معلوم نہ ہو سکی، قسطنطنیہ سے دس میل کے فاصلے پر سب لوگ خیمہ نصب کر کے اتر پڑے، سارا شہر ان کے دیکھنے کو آیا، سوار یا پیادہ باشندگانِ شہر اپنے بہترین لباس پہنے ہوئے آپہنچے، دوسرے دن طلوع آفتاب کے وقت شہنشاہ، خاتون کی حقیقی والدہ کے ساتھ بڑے تزک داحتشام سے اپنی لڑکی کو لینے آیا، اس وقت مارے خوشی کے انتظام درہم برہم ہو گیا، ابنِ بطوطہ دیکھ نہ سکا کہ خاتون نے کس طرح اپنے ماں باپ سے ملاقات کی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ خاتون گھوڑے پر سے اتر پڑی ان کے سامنے زمین کو بوسہ دیا پھر ان کے گھوڑوں کے سُموں کو چوما، اس کے ساتھ کے سربر آوردہ اشخاص نے بھی ایسا ہی کیا،

قسطنطنیہ میں دوپہر کے وقت جب داخل ہوئے تو گھنٹوں کی آواز سے فضا گونج اٹھی، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی محل شاہی کے پہلے دروازے پر مسلمان ہونے کی وجہ سے روک دیئے گئے، بالآخر خاتون نے اپنے باپ سے بالمشافہ سفارش کر کے بادشاہی حکم نافذ کرایا، اور وہ خاتون کے محل کے قریب اتارے گئے، بازاروں میں گشت کرایا گیا، کہ کوئی ان کو کسی طرح کی زحمت نہ پہنچائے، تین دن بعد ابن بطوطہ شہنشاہ کے دربار میں پیش ہوا، لوگ اس کو ففقور (رومی زبان میں بمعنی بادشاہ) پکارتے تھے

وہ جرجیس (GEORGE) انڈرونیکس دوم کا پوتا تھا، آخرالذکر نے ۱۳۲۸ء میں بادشاہت سے دست بردار ہوکر رہبانیت اختیار کی اور ۱۳ر فروری ۱۳۳۲ء کو فوت ہوا، شہنشاہ چین کا لقب چوں کہ فغفور (دراصل باغ پور، باغ بمعنی خدا اور پور بمعنی فرزند) تھا، غالباً اسی لحاظ سے مسلم مورخین نے بازنطائن کے شہنشاہ روم کے لئے تغفور لقب قرار دیا، ابن بطوطہ ناواقفیت سے اندرونیکس دوم کا بیٹا کہتا ہے) خاتون بیالون نے اپنے ہندوستانی خادم سنبل کے ذریعہ ابنِ بطوطہ کو بلا بھیجا، پہلے چار پھاٹکوں سے گذرنا پڑا، ہر پھاٹک پر پیدل فوج متعین تھی پانچویں پھاٹک پر سنبل اندر جاکر چار یونانی نوجوانوں کو ساتھ لایا، انھوں نے اس کی جامہ تلاشی کی، مبادا کوئی ہتھیار چھپا رکھا ہو، (جب عثمانی ترکوں نے قسطنطینہ ۱۴۵۳ء میں فتح کرلیا تو ترکی سلاطین نے بھی بازنطینم کا یہی قدیم طریقہ رائج کیا،) دربار میں ملک شام کا ایک یہودی ترجمان موجود تھا، اس نے عربی میں کہا گھبراؤ نہیں، یہاں کا یہی طریقہ ہے، جب ابن بطوطہ نے یہودی سے پوچھا کہ بادشاہ کو سلام کس طرح کیا جائے، اس نے کہا اسلامی طریقہ پر السلام علیکم کہو، دربار کی تفصیلات کو چھوڑ کر صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ سلام کے بعد بادشاہ نے اس سے یروشلم، گنبد صخرہ، کلیسا جہاں عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب حضرت عیسیٰ دفن ہوئے تھے۔ بیت اللحم، حضرت ابراہیمؑ کے شہر ہیبرون، دمشق، قاہرہ، عراق اور اناطولیہ، وغیرہ کے متعلق سوالات کئے اس نے یہودی مترجم کی وساطت سے ان سب کے جواب دیئے

شہنشاہ سن کر بہت محظوظ ہوا اور اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ اس کی بڑی عزت کی جائے اور اس کو شاہی محافظت میں تصور کیا جائے، اسی لئے باہر نکلتے وقت مثل افراد خاندان شاہی اس کے روبرو بھی چتر پکڑا جاتا تھا، انعام و اکرام سے کر اس نے شہر میں گھومنے کی اجازت چاہی، پھر وہ شہر کی وسعت، شان و شوکت، مال و دولت کا ذکر کرتا ہے۔ کہتا ہے قرن زریں (GOLDEN GHORN) شہر کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، زمانہ قدیم میں اس پر پتھر کا بنا ہوا ایک پل تھا، وہ گر گیا تو قرن زریں اب کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا جاتا تھا، مشرقی حصہ استنبول کہلاتا ہے، شہنشاہ، امراء وغیرہ اسی حصہ میں رہتے تھے، بازار وسیع، سڑکیں کشادہ اور پتھر کے فرش سے آراستہ تھیں، ہر بازار کا ایک دروازہ تھا، جو رات کو بند کر دیا جاتا تھا، اکثر صناع اور سامان فروش عورتیں ہی تھیں۔ شہر سے متصل ایک پہاڑی ہے جو نو میل تک سمندر میں سرایت کر گئی ہے۔ اس کی چوٹی پر ایک چھوٹا قلعہ اور بادشاہی محل تھا، اس پہاڑی کے اطراف شہر کی فصیل ہے جو بہت مضبوط اور تیرہ آباد قصبوں کو گھیرے ہوئے ہے، سب سے بڑی کلیسا (سینٹ صوفیہ) اسی حصہ شہر میں واقع ہے، قرن زریں کے مغربی جانب کا حصہ غلطہ (GALAYA) کہلاتا ہے، اس میں زیادہ تر فرانس، جے نوا، وینس، اور روما کے عیسائی تجار رہتے تھے۔ یہ سب بادشاہ قسطنطنیہ ہی کے ماتحت تھے، لیکن ان ہی میں کا ایک شخص بادشاہ کی جانب سے منتخب ہو کر اپنی قوم و ملت کے

لوگوں پر حکومت کرتا تھا، کبھی یہ لوگ خراج اور محصول دینے میں تساہل کرتے تو بادشاہ ان سے جنگ کرتا تھا، بالآخر پاپائے روم کی وساطت سے جھگڑا طے ہو جاتا، ان کی گودی بہت ہی وسیع تھی اس کے اندر ایک سو سے زائد بڑے جہاز لنگر انداز تھے، چھوٹے جہازوں کی تعداد شمار سے باہر سمجھنی چاہئے، اس حصۂ شہر کے بازار سامان سے بھرے ہوئے تھے لیکن ان میں غلاظت بھی بہت تھی، ان کی عبادت گاہیں بھی میلی کچیلی اور حقیر نظر آتی تھیں۔

ایا صوفیہ کی کلیسا کو وہ باہر ہی سے دیکھ سکا، عام طور پر مشہور تھا کہ آصف بن برخیا نے اس کو بنوایا تھا، (در اصل جسٹینین اول شہنشاہ مشرقی سلطنت روما ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء نے اس کو تعمیر کرایا تھا) اس کے گرد ایک دیوار تھی، جس سے وہ ایک شہر کے مشابہ نظر آتی تھی، اس کے تیرہ پھاٹک تھے، ایک متبرک محصور رقبہ ایک میل لمبا تھا جو ایک بڑے پھاٹک سے بند تھا، کلیسا کے دروازہ پر ایک سنہری صندوق میں وہ اصل لکڑی کا صلیب نصب تھا جس پر عیسائیوں کے عام عقیدہ کے بموجب حضرت عیسیٰؑ آویزاں کئے گئے تھے، اس کے پادریوں اور رہباتوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، اندر عورتوں کے لئے بھی ایک عبادت گاہ مخصوص تھی، ایک روز بادشاہ کے نامزد کردہ رہنما کے ساتھ ابن بطوطہ کی شہر میں سابق شہنشاہ سے ملاقات ہوئی جو رہبان بن گیا تھا، اسکے جسم پر بالوں کا ایک بےکلیف دہ لباس تھا، سر پر نمدہ کی ٹوپی تھی لمبی سفید ڈاڑھی تھی، چہرہ پر متانت کے ساتھ ریاضت

کے آثار نمایاں تھے ، اس کو دیکھ کر یہ دونوں گھوڑوں پر سے اتر پڑے
تعارف کے بعد سابق شہنشاہ نے ابن بطوطہ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا،
میں ان ہاتھوں کو چھو رہا ہوں جو یوروشلم میں داخل ہوئے تھے، پھر پیروں کو چھو کر
اپنے منھ پر ہاتھ پھیرا ، اس لئے کہ یہ پاؤں گنبدِ صخرہ اور بیت اللحم کے متبرک
مقامات ہو آئے تھے ، دیر تک یوروشلم اور وہاں کے عیسائیوں کا حال پوچھا
اس کے بعد اپنے عبادت خانہ میں چلا گیا۔

خاتون کے ساتھ آئے ہوئے ترکوں کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ اب وہ
اپنے باپ کے ملک ہی میں رہنا چاہتی ہے ، اور عیسائی مذہب اختیار
کرتی ہے تو کل ۳۶ دن قیام کے بعد اس سے اجازت لے کر واپس چلے،
جاتے وقت خاتون نے ابنِ بطوطہ کو یونانی دیناروں اور مال واسباب
سے سرفراز کیا، (ان دیناروں کو یونانی زبان میں ہاپر یا کردن کہتے تھے
اس لئے کہ نصاب سے کم سونا ان میں شامل تھا ، ابن بطوطہ نے ان کو برہ
کہا) ایک یونانی امیر سرحد تک پہنچانے کے لئے مقرر کیا گیا ،
وہ باباسلطوق پہنچ کر ان سے رخصت ہوا ، اس وقت موسم سرما کی شدت تھی ،
وضو کے لئے گرم پانی استعمال کرنے پر بھی قطرے منھ اور ہاتھوں پر برف
کی شکل میں منجمد ہو جاتے تھے ، گرم کپڑے اور پوستین اتنے پہننے پڑے کہ
گھوڑے پر مشکل سے سوار ہو سکا ، جب یہ لوگ حاجی ترخان واپس آئے تو
سلطان محمد اوزبک اپنے پایۂ تخت سرا کو چلا گیا تھا ، یہ بھی وہاں پہنچے ، شہر
کو بہت وسیع اور بارونق پایا ، مسلمان ترکوں اور مغلوں کے علاوہ

خفچاق، سرکیشیا، روس، اور یونان کے عیسائی بھی شہر کے مختلف محلوں میں آباد تھے۔ عراق، مصر، شام اور دیگر مقامات کے تاجر ایک مضبوط دیوار سے محصور حصہ میں اپنے سامان کی حفاظت کی خاطر رہتے تھے (زرین اردو کے سلاطین کے پایۂ تخت یکے بعد دیگرے قدیم و جدید سرائے تھے، ابن بطوطہ کے سفر سے کچھ مدت پہلے سلطان محمد ازبک نے قدیم سرائے کو چھوڑ کر جدید سرائے کو اپنا پایۂ تخت بنایا، حال شہر زاریواس میں شامل تھا، ۲۲۵ میل استرخان سے دور واقع تھا، اس کے کھنڈر چالیس میل پھیلے پڑے ہیں۔ جن کا رقبہ کوئی بیس مربع میل ہے)

باب (۶)

سرائے سے ابن بطوطہ خوارزم کو چلا، چالیس دن کی مسافت کا ایک صحراطے کرنا پڑا، چارہ کی قلت کی وجہ سے گھوڑے کام نہ دے سکتے تھے اس لئے اونٹ استعمال کرنے پڑے دس دن کے سفر کے بعد دریائے ادلوسو (یورل) کے کنارے شہر سراجوک (یعنی سرائے کوچک) پہنچے، یورل ایک بڑی اور تیز ندی ہے، بغداد کے پل کیطرح لوگ اس پر سے کشتیوں کے پل کے ذریعہ گذرتے تھے، تھکے ہوئے گھوڑوں کو سستے دام بیچ کر ابن بطوطہ نے اونٹ کرایہ پر لئے تیس دن مسلسل چلنا پڑا، دن میں صرف دو گھنٹے ٹھہرتے تھے، ایک گھنٹہ قبل ظہر اور ایک گھنٹہ مغرب کے وقت، (جوار کی آش پکا کر کھانے کے لئے) گوشت کے کچھ کباب آش میں ملاکر اوپر سے دہی ڈال دیا جاتا تھا، چلتی گاڑیوں ہی میں مسافر کھانا کھاتے اور سوتے تھے، راستہ میں پانی بھی وہی ملا جو بارش سے گڑھوں میں جمع ہوگیا تھا، خوارزم ترکی ممالک میں سب سے بڑا اور خوب صورت شہر ہے، اس میں اتنے آدمی تھے کہ رہنے کو جگہ نہ ملتی تھی یہ شہر بھی اوزبک سلطان کے ممالک میں شامل تھا، قتلودمور نامی ایک امیر اس کی نیابت کرتا تھا، خوارزمی بڑے مہمان نواز اور پابند صلوٰۃ تھے، نماز نہ پڑھنے والے کو شرعی سزا دی جاتی تھی، دریائے جیحون شہر کے باہر سے بہتا ہے، سال میں

پانچ مہینے اس پر برف جم جاتا ہے، موسم گرما میں جہاز اس میں ترمذ تک جا سکتے ہیں جو دریا کے بہاؤ کی سمت میں دس دن کی راہ ہے، ایک نو تعمیر شدہ علمی ادارہ میں ابن بطوطہ کا قیام رہا، بعد نماز یہ قاضی کے مکان پر ملنے گیا، کمرا بڑا شاندار قیمتی قالینوں اور ریشمی پردوں سے سجا ہوا تھا، قاضی کے ساتھ امیر قتلو دمور کی ملاقات کو گیا، اس نے سلطان اوزبک، خاتون بیالون اور قسطنطینہ کے متعلق پوچھا، حسب معمول کھانے پینے کی اشیاء سامان مہمان داری کے ساتھ بھیج دی جاتی تھیں، یہاں کوئلہ استعمال نہیں ہوتا تھا، یہی حال ایران اور ہندوستان کا تھا، البتہ چین میں معدنی کوئلہ جلایا جاتا تھا، امیر نے ابن بطوطہ کے لئے ایک ہزار درہم بھیجا اس نے اس رقم سے بڑی تعداد میں گھوڑے خریدے، کہتا ہے ایک گھوڑا سیاہ رنگ کا جو ۲۵ نقرئی دینار دے کر لیا تھا بڑا مبارک ثابت ہوا تین سال تک زندہ رہا۔ اس مدت میں اس کے تمام دنیاوی کاروبار اچھے چلے، جب گھوڑا مرگیا تو حالت دگرگوں ہوگئی،

خوارزم سے بخارا تک ایک ریتیلے صحرا میں سے اٹھارہ دن کا راستہ تھا، بیچ میں صرف ایک آباد مقام کاٹ ملتا تھا، یہاں ایک یخ لبستہ تالاب کے کنارے اتر پڑے، قاضی اور اس کے بعد حاکم شہر ان سے ملنے آیا اور ان کے اعزاز میں بڑی ضیافت کی، پھر چھ راتیں ایک بے آب خطۂ زمین سے سفر کرکے وافقند پہنچے، یہاں سے بخارا ایک دن کا راستہ تھا، ہر طرف باغ اور میووں کے درخت تھے، جن کے بیچ میں نہریں بہتی تھیں، یہ

شہر پہلے ماوراء النہر کا پایۂ تخت تھا، چنگیز تاتار نے اس کو تاراج کر دیا عروج کے زمانہ میں بخارا علوم دین کا معدن تھا، اب وہاں علم دین کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی، مضافات شہر سے ایک جگہ بمقام فتح آباد ٹھہرے رہے، بخارا سے سلطان صالح ترمشیریں کی فرودگاہ کو گئے، پھر نخشب (قرشی) کے چھوٹے سے شہر کو، جس کے گرد نہروں سے معمور بہت سے باغ تھے، سلطان شکار کو گیا ہوا تھا، اس کے نائب امیر تق بوغا سے ملنے گئے، اس نے ابن بطوطہ کو ایک ترکی خیمہ عطا کیا، اسی شب ابن بطوطہ کے حرم میں ایک لڑکی تولد ہوئی، بڑی نیک شگون ثابت ہوئی لیکن افسوس کہ ہندوستان جانے کے دو مہینے بعد مر گئی۔

سلطان ترکستان ترمشیریں بڑا ہی راست باز اور ذی وقار بادشاہ تھا، فوج بہت اور حکومت بہت وسیع تھی، چین۔ ہندوستان عراق اور اوزبک کے بادشاہوں کا ہم پلّہ تھا، ان کے ممالک سے اس کی سلطنت تھی، سب اس کی عزت کرتے تھے، اس کے پیش رو اس کے دو بھائی کافر تھے، یہ سچا اور دین دار مسلمان تھا، فجر اور مغرب کی نمازیں جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھتا تھا، ابن بطوطہ نے اس سے نماز فجر کے بعد مسجد سے باہر آتے وقت ملاقات کی، عدل وانصاف کا بڑا حامی تھا، ایک مرتبہ نماز کو جانے میں دیر ہوئی، پیش امام سے ذرا انتظار کرنے کے لئے کہلا بھیجا، اس نے صاف کہہ دیا، نماز وقت

مقررہ ہی پر پڑھی جائے گی۔ بادشاہ کے حکم کی عبادت میں تعمیل نہیں ہوسکتی سلطان کو مصلیوں کی آخری صف میں نماز ادا کرنی پڑی، جو رکعتیں چھوٹ گئیں نماز جماعت ختم ہونے کے بعد سلطان کو پڑھنی پڑیں، نماز کے بعد پیش امام سے ہنستے ہوئے مصافحہ کیا، اور ابن بطوطہ سے کہا جب وطن واپس جاؤ تو اپنے لوگوں سے کہو کہ ایرانی درویش نے احکام الٰہی کی تعمیل میں بادشاہ کے ساتھ کیسا سلوک کیا، پیش امام نماز جمعہ کے خطبہ میں سلطان کو برے کاموں سے پرہیز کرنے اور نیک کام کرنے کی ہدایت کرتا تھا، سلطان سن کر رو دیتا تھا، ابن بطوطہ اس کے پاس چوّن روز مہمان رہا۔ سمرقند جاتے وقت سلطان نے اسے سات سو نقرئی دینار، سو دینار قیمت کا ایک پوستین، دو گھوڑے اور دو اونٹ عطا کئے، سمرقند پہلے بہت بڑا اور متمول شہر تھا، تاتاریوں نے اس کو تباہ کر ڈالا، شہر کے باہر تو ثم بن العباس کا مزار ہے جو تاتاریوں کے حملہ کے وقت شہید ہوئے تھے، ہر یک شنبہ اور پنجشنبہ کی شب کو باشندگان شہر (جن میں حال تاتاری بھی شریک ہیں) مزار پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں۔ یہاں سے کارواں ترمذ پہنچا، قدیم ترمذ دریائے جیحون کے کنارے بہت بڑا اور دولتمند شہر تھا، چنگیز نے اس کو بھی غارت کر دیا۔

نیا ترمذ دریا سے دو میل ہٹ کر آباد کیا گیا۔ بہترین انگور اور دوسرے میووں کے باغات اور نہروں سے معمور ہے۔ یہاں کے لوگ سر کے بال دودھ سے دھویا کرتے تھے، (جیسا کہ ہندوستان میں تیل سے

اور پنجاب میں دہی سے، شہر پہنچنے سے پہلے ابن بطوطہ کے حاکم شہر علاء الملک خداوندزادہ سے ملاقات ہوئی، اس نے مہانداری کے احکام جاری کئے جیحون کو عبور کر کے خراسان کے ریگستانوں میں سے ہوتے ہوئے بلخ پہنچے، یہ اب بالکل ویران ہوگیا تھا چنگیز نے چھپے خزانوں کے جھوٹے لالچ میں بہت سی مسجدوں کو کھدوا ڈالا، لیکن کہیں کچھ نہ پایا، بلخ سے کارواں قوہستان کے پہاڑوں میں پہنچا، جن میں بہت سی خانقاہیں آباد تھیں، پانی کی نہروں سے درخت بہت سرسبز تھے، جن میں انجیر بکثرت تھے، پھر ہرات گیا جو اس وقت خراسان کا سب سے زیادہ آباد اور بڑا شہر تھا، نیشاپور بھی بہت آباد تھا، لیکن بلخ اور مرو کھنڈر پڑے تھے۔

ہرات کا سلطان مشہور حسین معزالدین بن سلطان غیاث الدین الغوری تھا ۱۲۴۵ء سے ہرات پر قرت (KART) کا مقامی خاندان حکمرانی کرنے لگا۔ معزالدین حسین کے زمانہ میں (۱۳۳۱ء۔۱۳۷۰ء) ہرات کو خراسان کے اندر بہت عروج نصیب ہوا، لیکن ۱۳۸۱ء میں حسین کے بیٹے غیاث الدین پیر شاہ نے تیمور لنگ کی اطاعت قبول کرلی ۱۳۸۹ء میں اس کی وفات ہوئی اسکے بعد اس کا خاندان مٹ گیا،) ایک تارک الدنیا بزرگ نظام الدین مولینا کا جوانی کا زمانہ ہرات میں گذرا ان کے اثر سے وہاں احکام شرعی کی پابندی کی جانے لگی حسین کے ایک رشتہ کے بھائی ملک ورنہ نے بھی اس رفاہی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، افسوس ہے کہ نظام الدین کو ایک ترکی امیر نے قتل کردیا، اور ملک ورنہ کچھ دنوں بطور سفیر بادشاہ سیستان

کے پاس رہا۔ وہاں سے ہندوستان گیا، یہاں ابن بطوطہ سے آگے چل کر
اس کی ملاقات ہوئی، وہ بھی بادشاہی سازشوں کے سلسلہ میں مارڈالا گیا،
ابن بطوطہ ہرات سے جام پہنچا، یہاں اکثر درخت شہتوت کے تھے اور ریشم
بہت پیدا ہوتا تھا، پھر طوس اور وہاں سے مشہد گیا، جہاں مذہب اثنا عشریہ
کے آٹھویں امام حضرت علی الرضاؑ (تاریخ وفات ۸۱۸ء) کا عالی شان
مقبرہ ہے، اس کا گنبد بہت خوبصورت ہے اور دیواریں رنگین ٹائل کی ہیں
اس کے مقابل خلیفہ بنی عباس ہارون رشید کا مزار ہے۔ (خراسان کی
سرحد پر فوج کشی کرتے ہوئے اس کا انتقال طوس میں ۸۰۹ء میں ہوا، ابن
بطوطہ کہتا ہے کہ شیعی اس مزار کی بے حرمتی کرتے تھے، پھر سرخس سے
ہوتا ہوا مشہد کے جنوب میں زدا پہنچا، شیخ قطب الدین حیدر کے یہاں
بہت مرید تھے، (اس لئے اب وہ تربت حیدری کہلاتا ہے) اس سلسلہ کے
درویش ہاتھوں میں لوہے کی چوڑیاں اور کانوں میں لوہے کی بالیاں پہنتے
ہیں، وہاں سے ابن بطوطہ نیشاپور گیا، جو میوہ کے درختوں اور نہروں کی
فراوانی سے دمشق صغیر کہلاتا تھا، یہاں کا ریشمی کپڑا اور مخمل ہندوستان
بھیجا جاتا تھا ابن بطوطہ شیخ قطب الدین نیشاپوری کی خانقاہ میں ٹھہرا، ان کے
کشف وکرامات کا ذکر کرتا ہے، بسطام، قندوز اور بغلان کے متبرک
مقامات کی زیارت کی، قندوز میں ندی کے کنارے مصر کے ایک شیخ
(جو عام طور پر شیر سیاہ کے نام سے مشہور تھے)، کی خانقاہ کے قریب
چالیس دن جانوروں کو تازہ دم ہونے کی خاطر ٹھہر گیا، اس علاقہ کا

حاکم موصل کا ایک شخص تھا، مہمان نواز اور حامئی عدل و انصاف، راستہ میں ہندوکش کے پہاڑ حائل تھے، برف باری کے خوف سے بھی ہندوستان جانے والے مسافروں کو ٹھہر جانا پڑا، ہندوکش کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان سے جو لڑکے اور لڑکیاں اس پہاڑ کے راستہ سے ممالک مغرب کو...... خدمت کی غرض سے تاجر اپنے ساتھ لے جاتے تھے سردی کی شدت سے مرجاتے تھے (ابن بطوطہ نے خاوک کے راستہ سطح بحر سے تیرہ سوفٹ بلندی پر کابل کے شمال مشرق میں پہاڑ کو عبور کیا) راستہ طے کرنے میں پورا ایک دن صرف ہوتا تھا، جب موسم گرما شروع ہوا اس وقت کا رواں پہاڑی راستہ سے گذرا، اونٹوں کے پیروں کے نیچے نمدہ بچھا دیا جاتا تھا، تاکہ برف میں دھنس نہ جائیں بہت سا سامان وزن ہلکا کرنے کے لئے پھینک دیا گیا، بغلان سے نکل کر اندراب گئے جو زمانۂ سابق میں بڑا شہر تھا، مگر اب بے نشان ہے، قریب کے ایک گاؤں کی خانقاہ میں اترے جس کا مہتمم محمد المہروی بڑا ہی نیک اور منکسر المزاج شخص تھا، وہ ان کے ساتھ کوہ ہندوکش پار ہونے تک چلا، یہاں ایک گرم پانی کا چشمہ ملا اس پانی سے منہ دھویا تو کھال نکل آئی اور بہت تکلیف اٹھائی۔

بعدازاں ایک مقام پر ٹھہرے، جو پنج شیر کہلاتا تھا، سابق میں یہاں ایک بڑا اور آباد شہر نیلے پانی کے دریا پر تعمیر ہوا تھا، لیکن چنگیز نے اس کو اور اسکے گردونواح کے مقامات کو نیست و نابود کر دیا، ایک پہاڑ پر جس کا نام پشائے تھا، شیخ آتا اولیا (یعنی ولیوں کے باپ) کی خانقاہ ملی ان بزرگ کا لقب سہ صد سالہ تھا، اپنی عمر ساڑھے تین سو سال کی بتاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہر سو سال کے بعد انکے

نئے بال اور دانت نکل آتے تھے ، واللہ اعلم قیافہ سے تو پچاس ہی برس کا سن معلوم ہوتا تھا، جلد صاف اور تر و تازہ تھی، بڑھاپے کا کوئی اثر نمایاں نہ تھا ، اطراف وجوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے خود بھی بڑے خلیق اور مہمان نواز تھے ،

یہاں سے نکل کر کارواں پروان پہنچا، جہاں امیر بورون تیہ BURUN TAYH) سے ملاقات ہوئی پھر چرخ نامی قصبہ کو گئے، اس کے بعد سلطان محمود بن سبکتگین کے مشہور شہر غزنی کو گئے، افسوس ہے کہ اس مشہور شہر کا بڑا حصہ ویران پڑا تھا، (غزنوی سلاطین کے بعد غوری خاندان نے اس شہر کو تباہ کر ڈالا) اس شہر میں سردی بہت محسوس ہوتی ہے ۔ اس لئے لوگ موسم سرما میں قندھار چلے جاتے ہیں وہاں سے کابل پہنچے ، جو محض قصبہ تھا ، اس کے باشندے افغان کہلاتے ہیں ، انھوں نے کوہ سلیمان کی چوٹیوں اور اس کے دروں پر قبضہ کر رکھا تھا اس وقت ان کا پیشہ زیادہ تر راہزنی تھا ، کابل سے کرماش گئے، راستہ میں افغانوں سے تصادم ہوا پھر ستاش گر پہنچے جو آباد ترکی ممالک کا آخری مقام تھا ، ماہ جولائی میں جب کہ بارش کا پانی گڑھوں میں جمع ہوجاتا تھا سندھ کا صحرا پندرہ دن میں طے کیا ، اس صحرا میں باد سموم چلتی ہے جس سے کئی کارواں تباہ ہوجاتے تھے ، الحمد للہ یہاں سے بھی خیریت کے ساتھ غرۂ محرم ۷۳۴ھ (مطابق ۱۲ ستمبر ۱۳۳۳ء) کو پنجاب میں دریائے انڈس (دریائے سندھ) پر پہنچے ہندوستان کے محکمہ خبر رسانی نے بادشاہ کو کارواں کے آنے کی مفصل اطلاع پہنچا دی

باب (۷)

جب ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی پنجاب اور سندھ پہنچے تو سلطان ہند کے محکمہ خبر رسانی نے گورنر ملتان کو ان کے آنے کی اطلاع دی۔ معمولی مسافروں کے لئے سندھ سے پایۂ تخت (دہلی) پچاس دن کا سفر تھا۔ مگر محکمہ برید (ڈاک) سے سلطان کو خطوط پانچ روز میں پہنچ جاتے تھے۔ یہاں خطوط رسانی کے دو طریقے تھے، سوار سلطان کے گھوڑوں پر خطوط پہنچاتے تھے، گھوڑے ہر چار میل پر بدلے جاتے تھے، پیدل کا طریقہ یہ تھا کہ ہر تہائی حصہ میل پر ایک آباد گاؤں ہوتا تھا جس کے باہر تین خیمے نصب کئے جاتے تھے، ان میں کمر بستہ لازم ڈیڑھ گز لمبی سرے پر گھنگرو بندھی ہوئی چھڑی لئے تیار بیٹھے رہتے تھے، جونہی قاصد خط لے کر آیا ایک شخص فوراً اس سے خط لے کر اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں چھڑی پکڑے تیزی کے ساتھ بھاگتا تھا، اس طرح ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا قاصد بدل بدل کر خط منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا تھا، پیدل قاصد اس طریقہ سے سوار قاصدوں سے جلد خطوط پہنچایا کرتے تھے، خراسان سے تازہ میوہ بھی کشتیوں میں رکھ کر اس طرح بٹہ (ڈاک) کے

ذریعہ سلطان کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ بزمانہ قیام دکن سلطان کے استعمال کے لئے گنگا کا پانی بھی اسی طریقہ سے دولت آباد بھیجا جاتا تھا۔

کوئی نووارد جب ملتان پہنچتا تھا تو اس کی حیثیت کے بموجب وہاں سرکار کی طرف سے اس کے ساتھ سلوک کیا جاتا تھا، اس کے خاندانی حالات کا پتہ تو اچھی طرح چل نہیں سکتا تھا اس لئے اس کے کردار و اعمال اور ظاہری صورت ہی سے اس کی قابلیت وغیرہ کا اندازہ لگایا جاتا تھا سلطان محمد شاہ اس وقت ہندوستان کا بادشاہ تھا، اس کے مصاحب، عہدہ داران دربار، وزراء، حکام عدالت اور ایسے عزیز و اقارب جن کا رشتہ شادی بیاہ کے ذریعہ قائم ہوا سب کے سب اجنبی اور بیرونی ممالک کے لوگ تھے، چنانچہ اسی وجہ سے عزیز کے نام سے مخاطب کیا جاتا تھا، اس کی سرکار میں تحفہ و نذرانہ کی مناسبت سے لوگ اعزاز و اکرام پاتے تھے، اس کے مقامی تجار نووارد اجنبیوں کو مال و اسباب، روپیہ کپڑے گھوڑے وغیرہ قرض دے کر شاہی مناصب و جاگیرات عطا کئے جانے پر اس سے خوب نفع کما لیتے تھے، سلطان کو گھوڑوں اور تیروں کا نذرانہ بہت مقبول تھا، ابن بطوطہ نے زیادہ تر یہی نذرانہ پیش کیا۔

پنجاب کی ندی عبور کرتے وقت ابن بطوطہ نے پانی کی لمبی گھانس میں پہلی بار گینڈا دیکھا، دو دن بعد جنانی خوشنما شہر میں داخل ہوئے، اس کے باشندے سامرہ کہلاتے تھے، جن کے آباد اجداد کی نسبت خیال تھا کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں فتح سندھ کے وقت (۷۱۲ء) اس شہر میں سکونت پذیر ہوئے لیکن انکے متعلق یہ اطلاع کہ وہ کسی کیساتھ مل کر کھانا تو درکنار کسی کے سامنے نہیں کھاتے

اور اپنے کفو کے باہر شادی نہیں کرتے صاف بتاتی ہے کہ وہ ہندو راجپوت نسل کے تھے، پھر سیوستان آیا، اس شہر کے باہر ریت کا صحرا تھا جس میں صرف ببول کے ہی درخت نظر آتے تھے، یہاں ندی کے کنارے صرف کدو، چنی، شکر اور بتانے کی کاشت ہوتی تھی، مچھلی اور بھینس کے دودھ کی افراط ہوتی تھی، گرمی اس شدت کی تھی کہ ایک کپڑا کمر کے گرد لپیٹ کر دوسرا پانی سے تر کرکے پیٹھ پر اور مونڈھے پر اوڑھے بغیر چین نہیں آتا تھا۔

اس شہر میں اس نے مشہور عالم علاء الملک خراسانی قاضی ہرات سے ملاقات کی جو اس وقت بادشاہ ہندوستان کی ملازمت میں لاہری کا گورنر مقرر ہوا تھا ابن بطوطہ اس کے ساتھ لاہری جانے کو تیار ہوگیا، (جس کے کھنڈر لاہری بندر کراچی سے کوئی ۲۰ میل جنوب مشرق واقع ہیں) گورنر کے پندرہ جہاز تھے ان میں سے ایک اہورا کہلاتا تھا جس کے بیچ میں ایک کیبن یا حجرہ تھا، لکڑی کی سیڑھی کے ذریعہ اس میں داخل ہو سکتے تھے، اس کے بالائی حصہ پر گورنر کے بیٹھنے کا مقام تھا، اس جہاز میں بیٹھ کر گورنر اور ابن بطوطہ ندی کے دہانے پر پہنچے، بندرگاہ میں یمن فارس وغیرہ کے جہاز آکر ٹھہرتے تھے، اس سے سرکاری خزانہ میں اچھا محاصل جمع ہوتا تھا، گورنر کو ان محاصل کا بیسواں حصہ ملتا تھا، سلطان ہند کی طرف سے دوسرے صوبوں کے گورنروں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا، لاہری سے سات میل پر تارنا کا کھنڈر تھا جس کی نسبت مشہور تھا کہ اس سرزمین کے باشندوں کی بداعمالی کی وجہ سے سب کے سب پتھر بن گئے، (ممکن ہے کہ یہ دیبل کے کھنڈر ہوں جو دریائے سندھ یعنی انڈس کی ایک سابقہ بندرگاہ

تھی، کراچی سے ۵۰ میل سمت جنوب مشرق میں) یہاں سے ابن بطوطہ گورنر کے عطا کردہ تحائف و مالی امداد کیسا تھ پہلے بکار اور پھر اوجا کو روانہ ہوا جس کا گورنر جلال الدین کیجی تھا، اس سے ابن بطوطہ کی دہلی میں بھی ملاقات ہوئی جب سلطان دولت آباد چلا گیا تو جلال الدین نے ابن بطوطہ کو (جو سلطان کے حکم سے دہلی ہی میں رہا) اپنے گاؤں کا محاصل اس کے سپرد کیا جس سے اس کو پانچ ہزار دینار ملے، اوجا سے وہ ملتان پایہ تخت سندھ پہنچا،

راستہ میں خسرو آباد نامی ندی کو پار کرنا پڑا، یہاں سوداگروں کے مال و اسباب کی تلاشی لی جاتی تھی، اور چوتھائی حصہ بحق سرکار وصول کیا جاتا تھا، علاوہ برایں ہر گھوڑے پر سات دینار محصول مقرر تھا، خوش قسمتی سے گورنر ملتان کا ایک افسر وہاں پہنچ گیا، اس نے ابن بطوطہ کو ان محصولات کی ادائیگی سے مستثنیٰ کیا، صبح صاحب البرید کے ساتھ گورنر ملتان قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بطور ہدیہ ایک سفید فام غلام ایک گھوڑا کچھ منقیٰ اور بادام پیش کئے۔ یہ میوہ خراسان سے آیا تھا، ہندوستان میں اس کی کاشت نہ ہوتی تھی اس لئے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا، یہاں سلطان خود فوج میں بھرتی ہونے والوں کا معائنہ کرتا تھا۔ سخت کڑی کمانیں تیراندازی کے امتحان کے لئے ان کو دی جاتی تھیں، ان کی قوت اور درستی نشانہ کے لحاظ سے ان کو نوکر رکھا جاتا تھا، دو مہینے کے بعد ابن بطوطہ ملتان گیا، جب سلطان کے درباریوں اور پولیس کے افسروں کو معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ سلطان ہند کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے تو خداوند زادہ قاضی ترمذ کی ہمراہی میں اس کو دہلی کی طرف جانے

اجازت ملی۔ یہ سفر ۴۰ دن کا تھا۔

ملتان سے نکلنے کے بعد پہلا شہر ابوہر تھا، اس سے آگے ایک دن کے راستہ کی مسافت کا ایک میدان تھا، جس کے گرد دشوار گزار پہاڑ تھے، ان پہاڑوں میں غدار ہندو رہتے تھے، ابن بطوطہ ذرا دیر کر کے اصل قافلے کے چلے جانے کے بعد کوئی ۲۲ آدمیوں کے ساتھ نکلا، جو مسلح عرب، ترک اور ایرانی تھے۔ اس جماعت پر اسی پیدل اور دو سوار ہندو ڈاکوؤں نے حملہ کیا، اچھی جنگ ہوئی ڈاکوؤں کے کوئی بارہ پیادے اور ایک سوار مارے گئے، ابن بطوطہ کے ایک اوچھا سا تیر کا زخم آیا، جو جلد اچھا ہوگیا، دو دن بعد وہ اجودھن (پاک پٹن) پہنچے جو چھوٹا سا شہر، شیخ فریدالدین نامی بزرگ کی ملکیت سے تھا۔ (اس راستہ میں پہلے پاک پٹن اور اس کے بعد ابوہر آتا ہے، ابن بطوطہ کے اس بیان میں خفیف سی غلطی ہے) شیخ کی ملاقات سے جب وہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ لوگ ایک عورت کو ستی ہوتے دیکھنے جا رہے تھے، اس رسم سے ہندوستانی بخوبی واقف ہیں، تفصیل بیان کی ضرورت نہیں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ سلطان ہند کی اجازت حاصل کئے بغیر کوئی ہندو بیوہ ستی نہ ہو سکتی تھی نہ تو اس کا خاندان اور نہ کوئی برہمن اس کو ستی ہونے کے لئے مجبور کر سکتا تھا، بعض بیوائیں بہ طیب خاطر آگ میں کود پڑتی تھیں۔ ابن بطوطہ نے جب ایک عورت کو اس طرح جلتے دیکھا تو قریب تھا کہ گھوڑے سے غش کھا کر گر پڑتا، ایک ساتھی نے اس کو سنبھال لیا، (یہاں وہ بطور تمثیل بعض ہندوؤں کا حصول ثواب کے خیال سے دیدہ و دانستہ دریائے گنگا میں ڈوب کر مرنا بیان کرتا ہے۔

ابن بطوطہ اجودھن (پاک پٹن) سے چل کر چار دن بعد سرسوتی پہنچا جس کا ایک عمدہ قسم کا چاول بڑی مقدار میں دہلی بھیجا جاتا تھا، یہاں سے ہانسی گیا جو نہایت خوشنما، مضبوط اور فصیل سے آراستہ آباد شہر تھا، دو دن بعد مسعود آباد پہنچ کر وہاں تین دن تک مقیم رہا، (یہ شہر دہلی سے دس میل واقع تھا اسکے کھنڈر نجف گڑھ سے ایک میل اور پالم کے اسٹیشن سے چھ میل سے جانب مغرب واقع ہیں) سلطان تغلق اس وقت دہلی سے باہر دس دن کے سفر پر قنوج گیا ہوا تھا، سلطان کی والدہ اور وزیر سلطنت شہر میں تھے، وزیر کے اطلاع دینے پر شہر کے قاضی، عالم اور چند امراء ابن بطوطہ اور اس کے ہمراہیوں کو لینے آئے، ان کے ساتھ پالم میں ایک دن ٹھہر کر دہلی آئے۔ اس وقت کی دہلی کی وسعت وعظمت سے متاثر ہو کر ابن بطوطہ بے ساختہ کہتا ہے کہ دہلی تمام دنیائے اسلام میں سب سے بڑا شہر تھا، پھر کہتا ہے کہ وہ چار متصل شہروں پر مشتمل تھا جن میں سے قدیم دہلی ہندوؤں کی بنائی ہوئی تھی مسلمانو نے اسے ۵۸۴ھ میں فتح کیا، دوسرا شہر سیری کے نام سے مشہور تھا سلطان نے اس کو خلیفہ بنی عباس مستنصر باللہ کے پرپوتے کو دیدیا تھا، جب کہ وہ اس سے ملنے آیا، اس کا نام دارالخلافہ رکھا گیا، تیسرا شہر تغلق آباد کہلاتا تھا۔ جس کو سلطان وقت کے باپ نے تعمیر کرایا تھا، افسوس ہے کہ سلطان تغلق کی خواہش چاروں شہروں کو ایک فصیل سے گھیر کر ملا دینے کی پوری نہ ہو سکی، اس کے بعد ابن بطوطہ دہلی کی جامع مسجد کی تفصیل بیان کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی وہ بہت وسیع اور عالی شان تھی، مسجد کے بیچ میں ایک

ابن بطوطہ کا سفر ہند
ملتان
اجودھن
ابوہر
سارستی
ہنسی
دہلی
کول
قنوج
سندھ
سوستان
گوالیار
چاندیری
گنگا
کاٹھیاوار
کنبایہ
دریائے نربدا
ساگر
دولت آباد
گوداوری
بنگال
گنگا
سنارگاوں
سنداپور (گوا)
کولم
معبر
سرندیپ
(جزائر مالدیپ)
قالی
دیناور
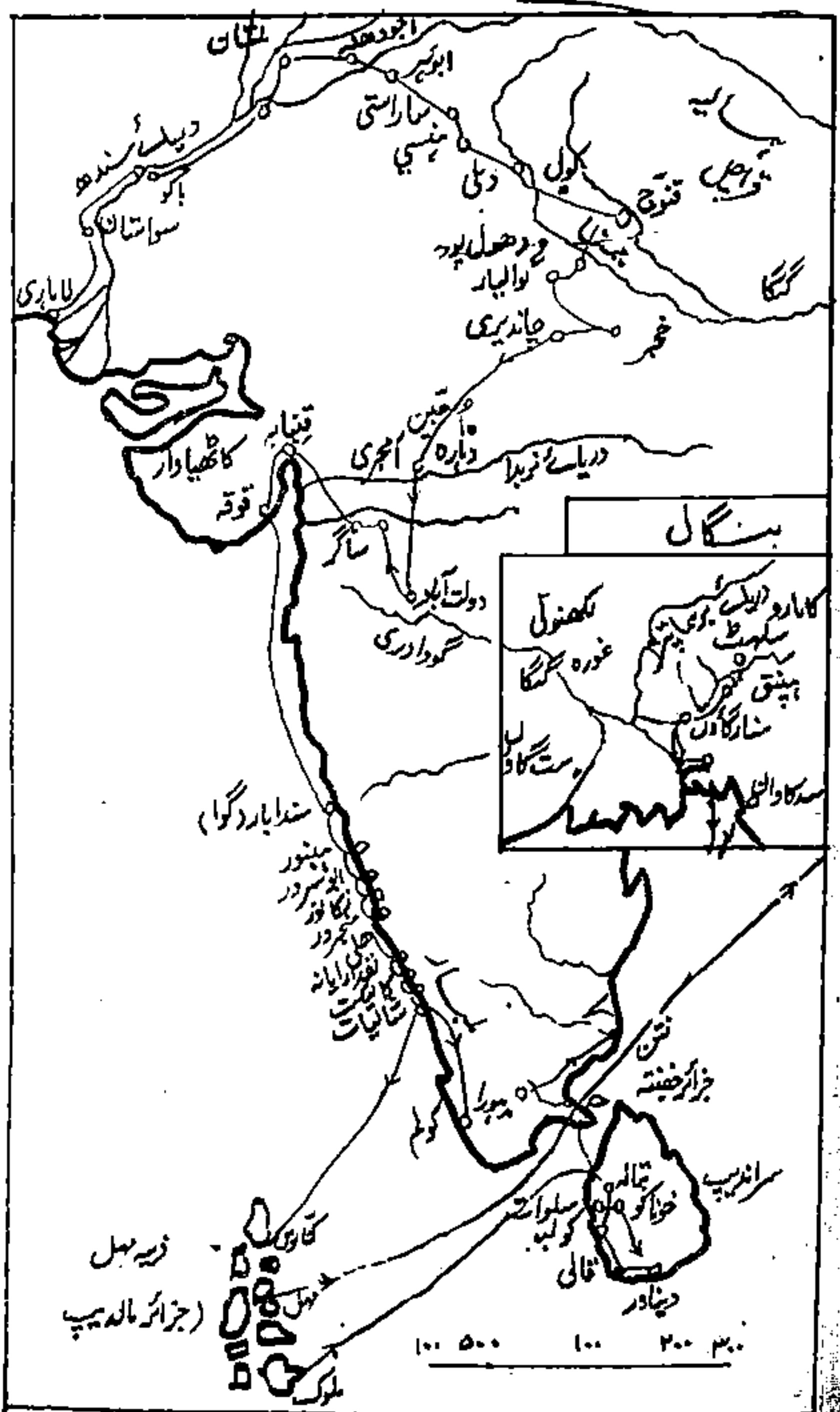
بلند فلزی مینار کا ذکر کرتا ہے جس کی نسبت مشہور تھا کہ سات دھاتوں کی آمیزہ سے بنایا گیا تھا، (جو ہفت جوش کہلاتا تھا) مینار ایسا سخت تھا کہ اس پر فولاد سے نشان نہیں پڑ سکتا تھا حافظہ کی غلطی سے اس مینار کی بلندی اور گھیر کی پیمایش میں مبالغہ کرتا ہے، جامع مسجد کے مشرقی دروازہ کے پاس پیتل کے دو بہت بڑے بت مٹی میں سرنگوں پڑے ہوئے ہیں لوگ آتے جاتے ان کو روندتے تھے، کہتا ہے اس مقام پر پہلے ایک بہت بڑا بت خانہ تھا، اس کو توڑ کر جامع مسجد تعمیر کی گئی، اس کے بعد سلطان قطب الدین کے تیار کردہ قطب کا ذکر کرتا ہے، یہاں بھی بہت مبالغہ سے کام لیتا ہے،

دہلی کے باہر پینے کے پانی کا ایک تالاب بتاتا ہے جو دو میل لمبا اور آدھا میل چوڑا تھا، سلطان التمش کا بنایا ہوا تھا، تالاب کے بیچ میں خربزہ، کدو، نیشکر کی کاشت کی جاتی تھی تالاب کے بیچ میں ایک مسجد یا بلند مقام پر خانقاہ تھی، دہلی کے مشہور عابدوں میں کمال الدین نامی ایک بزرگ تھے، جو صاحب کہف کہلاتے تھے، ان کے مشورہ کے بموجب ابن بطوطہ اپنے ایک مغرور غلام کو واپس نہ لینے کا ذکر کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بالآخر اس غلام نے اپنے نئے آقا کو قتل کر دیا،

سلطان محمد بن تغلق کی سیرت اور طرز حکومت کی سچی تصویر کھینچ کر بتاتا ہے، کہتا ہے کہ وہ جتنا فیاض تھا اتنا ہی خونریز بھی تھا، سلطان کا محل دہلی میں دار سرا کہلاتا تھا، پھر شاہی محلات دربار کے دالان (ہزار ستون) اور آداب نشست و برخاست دربار وغیرہ کی تفصیل بیان کرتا ہے، سلطان

کی فیاضی کے ضمن میں شہاب الدین گازرونی ایک سوداگر کا ذکر کرتا ہے جو سلطان کی خدمت میں تحفے لے کر آرہا تھا، راستہ میں چوروں نے اسکو لوٹ لیا، سلطان کو اس کا علم ہوا تو بیش بہا انعام عطا کیا، پھر جب وہ بیمار ہوگیا، تو خزانہ سے ایک لاکھ سونے کے تنگے روانہ کئے، ایک تنگے کی قیمت مراکش کے تقریباً ڈھائی دینار کے مساوی تھی، شہاب الدین صحت پاکر جزیرہ ہرمز کو چلا گیا اور وہاں ایک عالی شان مکان تیار کیا، لیکن افسوس ہے کہ اس کی ساری دولت بادشاہ ہرمز اور اس کے بھتیجوں کی جنگ میں لٹ گئی، اور وہ سلطان شیراز ابو اسحاق کے رحم و کرم کا محتاج ہوگیا، حکیم شمس الدین نے ۲۷ شعر کا ایک قصیدہ سلطان محمد بن تغلق کی تعریف میں بزبان فارسی لکھ کر بھیجا، سلطان نے اس کے صلہ میں فی شعر ایک ہزار نقرئی دینار عطا کئے، پہلے کسی بادشاہ نے فی شعر ہزار درہم سے زیادہ نہیں عطا کئے، قاضی مجدالدین شیرازی کو بھی (جن کا قبل ازیں ذکر آچکا ہے) اس نے دس ہزار نقرئی دینار عطا کئے، برہان الدین ساغرجی (قریب سمرقند) مشہور واعظ کو بھی ۴۰ ہزار دینار بھیج کر دربار میں آنے کی دعوت دی، لیکن چونکہ وہاں علماء کو بھی بادشاہ کے سامنے کھڑا رہنا پڑتا تھا، برہان الدین نے رقم لیکر اپنے قرضے چکا دیئے، اور خطا کو چلا گیا، سلطان کے خلاف قاضی وقت کے سامنے کئی شکایتیں پیش ہوئیں، طلبی ہوئی تو پاپیادہ قاضی کے دربار میں حاضر ہو کر احکام دارالقضاء کی تعمیل کی، اس زمانہ کے مشہور قحط میں ہر متنفس کو بادشاہ کی طرف سے چھ چھ مہینہ کا غلہ عطا کیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی روزانہ

سیکڑوں آدمی سلطان کے حکم سے سزا پاتے قید اور قتل کئے جاتے، اس کے سوتیلے بھائی مسعود خاں (جس کی ماں سلطان علاء الدین، کی بیٹی تھی) کے ظالمانہ قتل کا قصہ ..... بیان کرتا ہے، سلطان کے نام پر سب سے بڑا دھبہ یہ ہے کہ اس نے دہلی کے تمام باشندوں کو بیک وقت دکن کی پہاڑیوں میں دولت آباد چلے جانے کا حکم دیا اور لاکھوں آدمی بجبر وہاں منتقل کئے گئے۔

جب ابن بطوطہ دہلی میں داخل ہوا تو بادشاہ باہر گیا ہوا تھا، وہ سلطان کی والدہ اور وزیر کی خدمت میں حاضر ہو کر خدمت بجالایا اور تحائف پیش کئے، اس کے صلہ میں وہ بیش بہا عطیات وعنایات سے سرفراز ہوا چنانچہ وزیر نے منجانب سرکار دو تھیلیاں ایک ایک ہزار کی یہ کہہ کر دیں کہ "یہ اس کا سر دھونے کے لئے عطا ہوئی ہیں۔" ان کے علاوہ ایک گراں قیمت پشمینہ کا عبا بھی عنایت ہوا پھر سلطان کی طرف سے مہمانداری کا سامان خورد و نوش بھی مقرر ہوا اور بعد میں پانچ ہزار دینار سالانہ آمدنی کے گاؤں بھی عطا ہوئے۔

چوتھی شوال مطابق پانچ جون ۱۳۳۴ء) کو سلطان قلعہ تلبٹ دہلی سے سات میل پر) واپس ہوا، دربار شاہی میں مولانا بدرالدین کے نام سے اسکا تعارف کرایا گیا، سلطان نے بڑی مہربانی سے زبان فارسی میں اس سے گفتگو کی، حالات سفر پوچھے، اگر ابن بطوطہ چاہتا تو قلمندان وزارت سے سرفراز ہوتا اس لئے کہ بیرون ہند بلادِ اسلام سے آنیوالے افرادی کا اس زمانہ میں

حکومتِ ہند کی بڑی خدمات پر تقرر عمل میں آتا تھا لیکن اس نے وزارت سے انکار کر کے قضارت پر اکتفا کیا، دہلی کے مسلمانان فرقۂ مالکی کا قاضی مقرر ہوا، شاہ جہانگیر کا بھی حکم سنایا گیا، لیکن ان کی عملی اجرائی میں عموماً دیر ہوا کرتی تھی اسلئے ابن بطوطہ کے قرض خواہوں نے اس کو تنگ کیا اور بادشاہ تک اسکی شکایت پہنچی، بالآخر بوضع دس فیصدی (حسب معمول مقررہ) اسکے مناصب اور تنخواہ وغیرہ جاری کر دیئے گئے۔

جمادی الاولیٰ کی نویں تاریخ (۲۱ر اکتوبر ۱۳۴۱ء) کو سلطان کو رومنڈل کے ساحل (معبر) کے ایک باغی کی سرکوبی کو روانہ ہوا۔ جاتے ہوئے سلطان قطب الدین کے مقبرہ کی نگرانی بھی ابن بطوطہ کے تفویض کی، وقف کی آمدنی کم تھی اور ملازمین کی تعداد زیادہ معہذا ابن بطوطہ اسراف کا بھی خوگر ہو گیا تھا سلطان نے ان تمام امور کے پیش نظر اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کر کے اسراف سے پرہیز کرنے کی نصیحت کی یسلطان کے غیاب میں سخت قحط نازل ہوا لیکن ابن بطوطہ نے سلطان کے عطیات کو غریبوں اور مسکینوں کے خورد و نوش پر صرف کر کے خلق اللہ کی خدمت کی اور نیک نامی حاصل کی۔

معبر کی مہم میں افواج شاہی کا بیشتر حصہ وبائی بیماری میں مبتلا ہو گیا، اس لئے وہاں سے واپس ہونا پڑا پھر اودھ کے گورنر کی بغاوت فرو کرنے کے لئے دریائے گنگا پر کیمپ قائم کیا گیا، ابن بطوطہ بھی اس مہم میں سلطان کے ساتھ شریک تھا، اور اسی کے ساتھ دہلی واپس آیا۔ چونکہ ابن بطوطہ نے

سلطان مسلمہ مخالف شیخ شہاب الدین سے شہر کے باہر ایک غار میں جاکر ملاقات کی، اس لئے سلطان اس سے بدظن ہوگیا اور اس کو سزا دینی چاہی اس نے مسلسل پانچ یوم کا روزہ رکھا اور صرف پانی پر اکتفا کیا، تمام وقت تلاوت قرآن مجید کرتا رہا۔ پھر مزید چار یوم کا روزہ رکھا، اس اثنا میں شیخ شہاب الدین کی موت واقع ہوگئی، اور ابن بطوطہ رہا کردیا گیا، پھر اس نے صاحب کہف امام کمال الدین کے حلقۂ اطاعت میں شریک ہوکر دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی، سلطان اس وقت سندھ میں تھا، یہ خبر سن کر اس کو طلب کیا، اور اس کی سابقہ ملازمت پر مامور کرنا چاہا وہ فقیروں کے لباس میں حاضر ہوا اور مکہ معظمہ جانے کی اجازت چاہی، چنانچہ ختم جمادی الثانیہ ۷۴۲ھ (م اوائل دسمبر ۱۳۴۱ء) میں سلطان نے اس کی اجازت دیدی، لیکن ۴۰ دن بعد پھر اس کو تحفے بھیج کر دربار میں طلب کیا اور چین کے بادشاہ کے پاس اپنا سفیر بناکر بھیجنا چاہا۔

باب (۸)

چین کے بادشاہ نے سلطان محمد بن تغلق کے پاس قیمتی تحفے بھیج کر (جن میں بطور خاص قابل ذکر جملہ ایک سو غلام اور لونڈیاں ۵۰۰ مخمل اور ریشمی کپڑے کے تھان، مرصع ملبوسات اور اسلحہ تھے) درخواست کی تھی کہ قراجیل (کوہ ہمالہ) کے قریب بمقام سنبھل (واقع روہیلکھنڈ دلی سے تقریباً ۸۰ میل) جو بتخانہ مسلمانوں کی ہندوستانی فوج نے توڑ دیا تھا، اس کی تعمیر کی اجازت عطا ہو، سلطان نے تحائف قبول کر کے جواب دیا کہ از روئے احکام اسلامی یہ اجازت اسی وقت مل سکے گی جب کہ بادشاہ چین جزیہ عطا کرے گا، دربار چین سے آئے ہوئے تحفوں سے زیادہ قیمتی تحفے معین کئے گئے جن میں عمدہ نسل کے ۱۰۰ گھوڑے، ۱۰۰ اسفید فام غلام، ۱۰۰ ہندو ناچنے اور گانے والی عورتیں، ۱۲۰۰ مختلف قسم کے کپڑوں کے تھان، سونے اور چاندی کے شمعدان، مرصع لباس، ٹوپیاں، ترکش تلواریں اور موتی جڑے ہوئے دستانے اور ۱۵ خواجہ سرا شامل تھے۔

ابن بطوطہ کے ساتھ دو اور سفیر تھے، ایک عالم متبحر، امیر ظہیر الدین زنجانی، اور دوسرا خواجہ سرا کافور، تحائف خواجہ سرا ہی کی تحویل میں تھے۔ ہرات کے امیر محمد کو ایک ہزار سوار کے ساتھ وفد کو بندرگاہ تک پہنچانے کا حکم دیا گیا۔ چینی سفراء بھی (جن کی تعداد ۱۵، اور نوکر وغیرہ ملا کر ۱۰۰ آدمی تھے) اسی وفد کے ساتھ ہو گئے۔

قافلہ ۱۷ صفر ۷۴۳ھ (۲۲ جولائی ۱۳۴۲ء) کو مبارک تاریخ سمجھ کر نکلا، پہلے دن تلبٹ میں قیام رہا پھر بیانا (جس کی مسجد بہت شاندار تھی) ہوتے ہوئے کوئل (علی گڑھ) کے میدان میں خیمے نصب کئے گئے، اس وقت ہندو غداروں کی ایک جماعت الجلالی (قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ) نام والے ایک شہر کو جو کوئل سے سات میل (دراصل گیارہ میل) پر واقع تھا گھیر کر قریب تھا کہ اس کے باشندوں کو نیست ونابود کردیتی، غداروں کو شاہی قافلہ کے آنے کا علم نہ تھا، اگرچہ ان کی تعداد ایک ہزار سوار اور تین ہزار پیادہ تھی قافلہ اور اسکی شاہی فوج نے ان پر حملہ کرکے سبھوں کو تہ تیغ کیا، اور ان کے گھوڑے اور ہتیار لے لئے، قافلہ کے ۲۳ سوار اور ۵۵ پیادے سپاہی شہید ہوئے جن میں خواجہ سرا کافور بھی شامل تھا، سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دے کر حکم کے انتظار میں وہیں قیام کیا گیا، لیکن ہر روز باغیوں سے جھڑپ جاری رہی (دہلی سے ایک سو میل کے اندر ہی ملک میں یہ بدامنی صاف بتاتی ہے کہ محمد بن تغلق کی سلطنت کس قدر مخدوش حالت میں تھی)

ایک مرتبہ ابن بطوطہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر ایک باغ میں دوپہر کے وقت موسم گرما کی وجہ سے سونے کیلئے گیا، چیخ وپکار کی آواز سن کر اٹھا تو دیکھا، وہی ہندو باغی شرارت کر رہے ہیں۔ وہ اور اس کے ساتھی گھوڑے پر سوار ہو کر غداروں کی منتشر ٹکڑیوں کے تعاقب میں چھوٹے چھوٹے دستے بن کر نکلے، ابن بطوطہ کے ساتھ پانچ سوار تھے، اچانک ان کے اوپر ایک جھاڑی کے پیچھے سے سواروں اور پیادہ

غداروں کی ایک جماعت ٹوٹ پڑی، بھاگنے کے سوا چارہ نہ تھا، کوئی دس ہندوؤں نے اس اکیلے کا پیچھا کیا، بالآخر اُن میں سے تین ہی رہ گئے، زمین ناہموار تھی، ابن بطوطہ کے گھوڑے کا پاؤں پتھروں میں پھنس گیا، اتر کر گھوڑے کا پاؤں پتھروں میں سے نکالا، مرصع تلوار میان سے گر پڑی، اس کو بھی اٹھا کر پیٹھ سے باندھنا پڑا، ڈاکو تعاقب کر رہے تھے، آخر ایک عمیق نالہ کے پاس گھوڑے پر سے اتر پڑا، اور نالہ کی تہ میں چھپ گیا۔ پاس کی وادی میں جھاڑیوں کی کثرت تھی، راستہ معلوم نہ تھا، جدھر سوجھا چلا گیا، اتنے میں چالیس لیٹروں نے اسے گھیر لیا، ان کے ساتھ تیر و کمان تھے۔ جتنا سامان اور لباس وغیرہ اس کے جسم پر تھا سب چھین لیا صرف کرتہ، پائجامہ اور عبا چھوڑ دی، اسکے بعد ڈاکو اس کو پکڑ کر ایک تالاب کے کنارے لے گئے، ان میں دو مسلمان تھے، زبان فارسی میں انھوں نے ابن بطوطہ سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے، اس نے نہیں بتایا کہ وہ سلطان کا ایلچی ہے، ڈاکو چاہتے تھے کہ اس کو قتل کر دیں، اتفاق سے ان میں ایک خوش وضع نوجوان تھا، اس نے ابن بطوطہ پر ترس کھا کر اس کو رہا کر دیا، اس مہربانی کے بدلے میں اس نے نوجوان کو اپنی عبا دے دی اور اس نے اپنا موٹا دوہرا کلوک اس کو پہنا دیا، اور آبادی کا راستہ بتایا، ابن بطوطہ ڈرا کہیں ایسا نہ ہو کہ ڈاکو پیچھے سے آکر مار ڈالیں، وہیں ایک جھاڑی میں شام تک چھپا رہا، اس کے بعد نوجوان کے بتائے ہوئے راستے پر لگ گیا، ایک نہر کا پانی پی کر آگے بڑھا، رات کو ٹیلے کے نیچے سو گیا، صبح کو پتھروں سے بندش کی ہوئی

ایک باؤلی میں اتر کر پانی پیا، اس میں کچھ سرسوں کے پودے کسی نے گرا دیئے تھے ان کو جمع کر کے اپنا پیٹ بھرا، تکلیف سہتا، مصیبت جھیلتا ایک گنبد میں داخل ہوا اس میں پرندوں نے کچھ گھاس جمع کر رکھی تھی، رات کو اسی پر لیٹ گیا۔ کسی جانور کی حرکت محسوس ہوئی شائد سانپ ہوگا، لیکن تکان اور نیند اس قدر غالب تھی کہ اس کی پروا نہ کی اور سو گیا۔ صبح اٹھ کر آگے کو چلا، ایک مرتبہ پھر ڈاکو ملے، اتنا تھک گیا تھا کہ ایک ڈاکو نے تلوار کھینچ کر مارنا چاہا تبھی تو اس کی پروا نہ کی، اس نے اس کا وہ قمیص بھی اتار لیا جس کی آستینوں کے کف ابن بطوطہ نے قبل ازیں ڈاکوؤں کے ایک آدمی کو دیدیئے تھے تاکہ انہیں یقین دلایا جائے کہ وہ دراصل قتل کر دیا گیا تھا، آٹھ دن اسی طرح چلتا رہا، راستہ میں ایک کنواں ملا، پیاس سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ کنوئیں کے منہ پر ایک رسی تو تھی مگر ڈول نہ تھا، ابن بطوطہ نے اپنا ایک کپڑا رسی سے باندھ کر کنوئیں کے اندر ڈالا، جب کپڑا تر ہو گیا، تو اوپر کھینچ کر بھیگے کپڑے کا پانی اپنے منہ میں نچوڑا، اس سے سیری نہ ہوئی تو پیر سے ایک جوتہ نکال کر پانی کنوئیں سے حاصل کیا اور پی گیا، دوسری مرتبہ جب جوتہ باؤلی میں لٹکایا تو رسی ٹوٹ گئی دوسرا جوتا باندھ کر پانی حاصل کیا اور پی کر اپنی پیاس بجھائی، اسی اثناء میں ایک سیاہ فام آدمی وہاں پہنچا، اسلامی طریقہ پر سلام کر کے ابن بطوطہ سے فارسی میں پوچھا کہ تم کون ہو، اس نے کہا بھولا ہوا مسافر نام محمد بتایا، نو وارد نے اپنا نام دلشاد بتایا، کنوئیں میں رسی کے ذریعہ گھڑ

ڈال کر پانی اوپر کھینچا، اور کمر سے کھول کر ایک تھیلی نکالی جس میں کالے بٹاٹے اور چاول تھے، ابن بطوطہ سے کہا پیٹ بھر کر کھالو اور پھر پانی پیو، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو ابن بطوطہ مارے تکان کے اٹھ نہ سکا، دلشاد نے اسی وقت اللہ کا نام لے کر اس کو اپنے کندھے پر بٹھالیا، اور ایک گاؤں کا رستہ لیا، ابن بطوطہ پر غنودگی طاری ہوگئی تھی، جب ہوش آیا تو دیکھا اکیلا ایک گاؤں میں لیٹا ہوا ہے۔ گاؤں ہندوؤں کا تھا، مگر حاکم مسلمان تھا، حاکم بعد کو ملنے آیا اور گاؤں کا نام تاج پور بتایا، کوئل وہاں سے دو فرسنگ تھا، حاکم نے ابن بطوطہ کو وہ کپڑے بھی دیئے جو اس نے قبل ازیں کوئل میں ایک عرب کے سپرد کئے تھے دلشاد کی بروقت غیبی امداد پر جب ابن بطوطہ نے غور کیا تو اس کو ابوعبد اللہ المرشدی کی وہ پیشین گوئی یاد آئی جو انھوں نے اس کے ہندوستان آنے سے پہلے کی تھی اور جو بالآخر سچی ثابت ہوئی۔ کوئل سے اطلاع ملی اس اثنا میں سلطان نے تحائف سنبل نامی ایک دوسرے خواجہ سرا کے سپرد کئے، اور سفر جاری رکھنے کا حکم دیا، اگرچہ اہل قافلہ ڈر کر واپس ہوا چاہتے تھے، ابن بطوطہ نے انکو اس سے باز رکھا۔

برج پور میں ایک تارک الدنیا بزرگ محمد برہنہ کی خانقاہ ملی یہ بزرگ صرف ایک تہبند باندھا کرتے تھے اس لئے ان کا یہ لقب مشہور ہوگیا، اہل قافلہ کالی ندی (اردو سیاہ) کو پار کر کے قنوج پہنچے، اس کے بعد امر تی پھر مرتھ (رگو الیار کے مشرق میں) یہاں کی آبادی غیر مسلم تھی مگر

حاکم مسلمان تھے، مرتھ کے ہندو مضبوط جسم کے تھے۔ ان کی عورتیں بہت حسین تھیں، بعدازاں قافلہ علی پور پہنچا، یہاں سے ایک دن کے راستہ پر فتح نامی (ایک غیر مسلم امیر (راجہ دھول پور) کی ریاست تھی جس میں سے دریائے چنبل بہتا تھا، گوالیار کے محاصرے میں وہ مارا گیا علی پور کا گورنر سلطان کا ایک حبشی غلام بدر نامی تھا بڑا ہی بہادر اور غیر معمولی ڈیل ڈول کا آدمی تھا مشہور تھا کہ وقت واحد میں وہ ایک پورے بکرے کا گوشت کھا لیتا تھا، اور اس پر تین پاؤ گھی پی جاتا تھا۔ کفار اس سے بہت ڈرتے تھے، افسوس کہ ایک مرتبہ اس کا گھوڑا گڑھے میں گر جانے سے ہندوؤں نے اس کو گھیر کر مار ڈالا۔ اس کا بیٹا بھی بڑا بہادر تھا، یہاں سے یہ لوگ گوالیار گئے جس کا مضبوط قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا دروازے پر پتھر کا ایک ہاتھی اور مہاوت تراشے گئے تھے، اس شہر سے چل کر پروان میں آئے، یہاں شیر بکثرت تھے، ایک شیر رات کے وقت شہر کے دروازے بند کئے جانے پر بھی اندر آجاتا تھا، اور آدمیوں کو مار ڈالتا تھا، عام عقیدہ تھا کہ وہ شیر نہیں بلکہ ایک جوگی تھا، جو شیر کی شکل میں آتا تھا، پھر جوگیوں کی نسبت جو قصے اس وقت رائج تھے بیان کرتا ہے، مثلاً بند گڑھے کے اندر (صرف ہوا کے آنے جانے کا راستہ چھوڑ کر) مہینوں بلکہ ایک موقع پر کامل ایک سال تک، بغیر کھانے پانی کے (محض اپنی بنائی ہوئی ایک گولی استعمال کرکے) زندہ رہنا، غیب کی باتیں بیان کرنا، بعض کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اگر وہ کسی شخص کو گھور کر دیکھے

تو وہ فوراً زمین پر گر کے مرجائے۔ مُردے کا سینہ چاک کرنے پر معلوم ہوتا تھا کہ دل بالکل غائب تھا، سمجھا جاتا تھا کہ جادوگر اس آدمی کے دل کو کھا جاتا تھا، یہ قصے جادوگرنیوں سے متعلق زیادہ سننے میں آتے تھے[1] جو کفتار کہلاتی تھیں دہلی کے قحط میں ایک عورت گرفتار کر کے لائی گئی۔ اس پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ ایک لڑکے کا دل کھا گئی، عہدے دار مجاز نے اس کے ہاتھ اور پاؤں پانی کے بھرے ہوئے گھڑوں سے مضبوط باندھ کر اس کو دریائے جمنا میں ڈال دیا تاکہ ڈوب جائے لیکن وہ یوں ہی تیرتی رہی تب یقین کر لیا گیا کہ وہ کفتار تھی، آخر وہ آگ میں ڈال کر جلادی گئی لوگ اس کی راکھ جمع کر کے لے گئے عام عقیدہ تھا کہ اس راکھ کے دھوئیں سے انسان کفتاروں کے جادو سے محفوظ رہتا ہے۔

اس ضمن میں ابن بطوطہ بیان کرتا ہے کہ سلطان نے دہلی میں ایک مرتبہ اس کو اپنے کمرۂ خاص میں بلا کر دو جوگیوں کے کرشمے دکھلائے، ایک جوگی زمین پر چہار زانو بیٹھ گیا اور اسی حالت میں زمین سے خود بخود اوپر کی طرف اتنا بلند ہوا کہ لوگوں کے سروں سے بھی اونچا ہو گیا، ابن بطوطہ یہ دیکھ کر غش کی حالت میں گر پڑا کچھ دوا پلانے پر اسے ہوش آیا۔ جوگی اس اثنا میں ہوا ہی میں معلق بیٹھا رہا۔ پھر دوسرے جوگی نے اپنا ایک کھڑاؤں تھیلی سے نکال کر دیوانہ وار زمین میں مارنا شروع کر دیا، کھڑاؤں بھی بالآخر معلق ہوا میں اٹھتا گیا حتیٰ کہ پہلے جوگی کی گردن تک پہنچ کر آپ سے آپ اسے سر میں لگائیں

---

[1] مارواڑ میں اب بھی ایسی عورتیں ڈاکن کے نام سے پائی جاتی ہیں۔

اب پہلے جوگی نے کھڑاؤں کی ضربیں کھا کر آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کیا اور بالآخر زمین پر سب کی طرح بیٹھ گیا سلطان نے فرمایا اگر ابن بطوطہ کے پاگل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ان جوگیوں سے اس سے زیادہ حیرت انگیز تماشے کرا کر دکھاتا۔

تنقید منجانب راقم الحروف

ہوا میں کسی بھاری جسم کو قوت جاذبہ زمین کے خلاف کچھ دیر تک بغیر کسی سہارے کے قائم رکھنا طبیعیات کے کلیات کے لحاظ سے صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ جاذبہ زمین کے مخالف ایک دوسری مساوی قوت عمل کرتی ہے۔ جوگی کی اس حیرت انگیز عمل کی توجیہہ کی کوشش محض ایسے تحریری بیانات کے مد نظر بے سود ہے۔

بعض انگریزی اور امریکی مصنفین نے بھی اس قسم کے چند واقعات قلمبند کئے ہیں۔ ای۔ بی ہیول (BB HAVELL) اپنی کتاب بنارس ڈی سیکریڈ سٹی میں جس کو بلیکی اینڈ سن۔ لندن نے شایع کیا ہے صفحات ۱۱۷ و ۱۱۸ پر جوگیوں کے مبینہ خرق عادت اعمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بعض اہل مشرق کا عقیدہ ہے کہ بلا سہارے ہوا میں معلق کوئی شخص صرف اپنی روحانی قوت کی مدد سے جو ریاضت کے ذریعہ اس کو حاصل ہوتی ہے ٹھہر سکتا ہے انیسویں صدی کا اس نے ایک ایسا واقعہ بیان کیا جو اس کے سامنے پیش آیا لیکن اس سے اس کے شکوک رفع نہ ہو سکے وہ کہتا ہے کہ ۱۸۲۸ء میں جبکہ صوبہ مدراس کے ضلع کرنول کے ایک قصبہ میں اس کے زیر صدا

ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی منائی جا رہی تھی وہاں کے ایک مشہور جوگی نے بھرے مجمع کے سامنے ایسا عمل کر کے بتایا۔ وہ کہتا ہے کہ جوگی ایک پردے کے پیچھے چہار زانو بیٹھ گیا، جب پردہ ہٹا دیا گیا تو جوگی غش یا مراقبہ کی حالت میں زمین سے کئی فٹ بلندی پر معلق بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ کوئی پندرہ منٹ تک وہ اسی حالت میں نظر آیا۔ اس کے بعد پھر پردہ باندھ دیا گیا اور جوگی نیچے اتر آیا۔

مارچ ۱۸۲۹ء کے ایشیاٹک ماہواری جرنل میں سر مونیر ولیمز نے اپنے مقالہ انڈین وزڈم (INDIAN WISDOM) میں بیان کیا ہے کہ ایک برہمن گورنر مدراس کے سامنے بحالت غش یا مراقبہ چالیس منٹ تک ہوا میں معلق چہار زانو بیٹھا رہا۔ یہ شخص بھی پردہ ہی کے پیچھے ہوا میں اٹھا۔ ہیول کہتا ہے کہ پردہ کے استعمال سے شعبدہ بازی کا احتمال ہے۔ ابن بطوطہ کے بیان میں پردہ کا بطور خاص ذکر نہیں پایا گیا۔ معلق متحرک کھڑاؤں کی ضربوں کے ذریعہ جوگی کا ہوا سے زمین پر اتر آنا اگر شعبدہ بازی نہیں ہے تو نہایت تعجب خیز شعبدہ ہے، ہپناٹزم (HYPOTISM) کی مدد سے سارے مجمع کو متاثر کر کے دیکھنے والوں کے دلوں میں کسی خرق عادت فعل کا یقین پیدا کرنا بعید از فہم بات نہیں ہے۔

امریکہ کے ڈاکٹر الیکسس کیرل (ALEXIS CARREL) نے جو کہ ایک نوبل پرائز بھی ہیں اپنی حالیہ پر مغز کتاب میں لورڈیس (LOURDES) (HAMISHHAMILON PUBLISHER MAN THE UNKNOWN)

فرانس کی مشہور دارالشفاء میں دعاء کے ذریعہ بیماروں کا دیکھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے شفا پانا ، انہی حالات کے ساتھ جو دوا یا عمل جراحی کیصورت میں رونما ہوتے ہیں لیکن زیادہ تیز رفتاری سے (صفحہ ۱۴۵ پر) مفصل طور پر بیان کیا ہے۔ وہ بعض تارک الدنیا اشخاص کے ہوا میں جوگیوں کی طرح معلق بیٹھنے اور دوسرے بھاری اجسام کے دیر تک معلق قائم رہنے کی مشہور قرون وسطیٰ والی روایتوں کا بھی ذکر کرتا ہے ، بہرحال یہ امور سنجیدہ انسان کے غور کے قابل ہیں۔ ان کو محض دھوکہ یا شعبدہ تصور کرنے سے ان کا معاحل نہیں ہو سکتا اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی صحیح توجیہہ ہو گی کلیات فطرت کے خلاف ... نہ ہو گی لیکن انسان ابھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے فطرت کے (اور علی الخصوص حیاتیات (BEOLOGY) کے) سارے کلیات دریافت کر لئے۔

وفد کے حالات سفر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ پروان سے بجرا پہنچا (پروان تو دراصل افغانستان کے ایک شہر کا نام ہے) اس مقام کا حقیقی نام غالباً نرور تھا جو گوالیار میں واقع ہے، ابن بطوطہ ہندی غیر مانوس ناموں کو اسلامی ممالک کے مشہور ناموں سے یاد کرتا ہے ، دور حاضر کے نقشے میں ، نرور کے شمال مشرق میں ۲۵ میل اور گوالیار سے ۳۰ میل جنوب میں ایک مقام پروائی نام کا بھی موجود ہے ، بجرا بلاشبہ مجوزرا ہو ہے — چھتر پور سے ۲۷ میل جانب مشرق اور پنا سے ۲۵ میل شمال مغرب کی طرف ہے) دہاں کے تالاب کے بند پر کئی مندر تھے جن کے بتوں کو مسلمانوں

توڑ دیا تھا، اس جگہ سے چل کر قافلہ چندیری ہوتے ہوئے دھار پہنچا جو مالوہ کے وسیع صوبہ کا سب سے بڑا شہر تھا، یہ دہلی سے ۲۴ دن کی راہ ہے، راستہ کے دونوں طرف مینار نصب تھے جن پر فاصلہ کندہ کئے گئے تھے۔ اسے چاہئے تھا کہ دھار سے پہلے اجین کا ذکر کرتا غلطی سے کہتا ہے کہ وہاں بعد کو پہنچا،
بالآخر دولت آباد میں داخل ہوا جو ہنوز زیر تعمیر تھا اور وسعت میں دہلی سے کم نہ تھا، اس کے تین حصے تھے، ایک سلطان اور اس کی فوج کے لئے مخصوص تھا، دوسرا حصہ کٹکا کہلاتا تھا، تیسرا قلعہ دیو گڑھ تھا،

دولت آباد میں سلطان محمد بن تغلق کا اتالیق قتلو خاں بطور حاکم و نائب سلطان ساغر و تلنگانہ و دیگر ممالک تحت کی حکومت پر مامور تھا، دیو گڑھ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر بنا تھا جہاں ایک بڑی چرمی سیڑھی (کمند) سے رسائی ہوسکتی تھی رات کو سیڑھی اٹھالی جاتی تھی۔ اس قلعہ کے تہ خانوں میں قبیح جرموں کے مرتکب قید کیے جاتے تھے جہاں کے چوہے بلیوں سے بھی بڑے تھے، شہر کے باشندے مرہٹے تھے۔ ان کی عورتیں بڑی حسین تھیں۔ ان کی ناک اور بھنویں خصوصاً بہت خوبصورت تھیں۔ شہر کے اندر زیادہ تر دولت مند جوہری رہتے تھے، گویوں اور گائنوں کے لئے بھی ایک بازار مخصوص تھا جس کے بیچ میں قالینوں سے آراستہ ایک عمارت تھی جہاں ہر پنجشنبہ کو بعد نماز عصر گویوں کا سردار درباری شان سے بیٹھتا تھا، گانے والی عورتیں باری باری سے اس کے سامنے پیش ہوکر مجرا سناتی تھیں۔ ہندوؤں کی حکومت کے زمانہ میں خود راجہ یہاں بیٹھ کر گانا سنتا تھا، اس کے

بعد مسلمانوں نے بھی اس رسم کو جاری رکھا

یہاں سے ایلچیوں کا وفد مرہٹوں کے ایک چھوٹے سے شہر نندربار سے گذرا، کہتا ہے کہ یہاں کے لوگ اچھے صناع اور طبیب تھے، ان کے سربرآوردہ لوگ برہمن اور کشتری ذات کے تھے، ان کی غذا ترکاری اور سمسم (تل) کا تیل تھی، یہ گوشت نہیں کھاتے تھے اور کھانے سے پہلے بالالتزام نہایا کرتے تھے۔ شراب کا سخت پرہیز تھا، ہند کے مسلمان بھی شراب سے نفرت کرتے تھے۔ پینے والے کو اسی دُرّے اور تین ماہ قید کی سزا تھی، یہاں سے نکل کر وفد دریائے تاپتی کے کنارے سون گڑھ (ساغر) پہنچا، پھر کھمبے جو سمندر پر واقع ہے، جب پانی میں مد وجزر ہوتا ہے تو گودی میں پانی آجاتا ہے، اور جہاز تیرنے لگتے ہیں۔ وہ اس شہر کی عمارتوں خصوصاً مساجد کی تعریف کرتا ہے، شہر کے اکثر باشندے بیرونی ممالک کے تاجر تھے جو مکانوں اور مساجد کی تعمیر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے وفد پھر خلیج کھمبے کی دوسری جانب کاوا پہنچا، جو ایک ہندو راجہ جالیسی کے علاقہ میں تھا، (لفظ جالیسی غالباً راجپوت قوم جارسن سے منسوب تھا، راجپوتانہ کا ایک حصہ اب بھی جھالاواڑ کہلاتا ہے)، اس کے بعد گندھار نامی ایک بڑے شہر میں داخل ہوا، یہاں بھی اسی راجہ کی حکومت تھی لیکن مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ کے تحت، چنانچہ راجہ ہر سال بادشاہ ہند کو نذرانہ وخراج بھیجتا تھا، ابن بطوطہ گندھار کو قندھار لکھتا ہے، گندھار (قندھار) ناہم کی ندی کے دہانے پہ واقع ہے، جب وفد وہاں پہنچا تو راجہ خود

اس کو لینے کے لئے آیا، اپنا محل اہل وفد کے رہنے کے لئے خالی کر دیا۔ راجہ کے دربار کے ذی مرتبت سربرآوردہ مسلمان بھی ملنے کے لئے آئے، ان میں خواجہ بوہرا کے لڑکے شامل تھے۔ جن میں سے ابراہیم نامی ایک شخص کے چھ جہاز سمندر پر چلتے تھے۔

گندھار پر ابراہیم کے ایک جہاز الجاگیر پر سلطان ہند کے گھوڑوں میں سے ستر گھوڑے سوار کر دیئے گئے۔ اور باقی ابن بطوطہ اور اسکے ساتھیوں کے گھوڑوں کے ساتھ ابراہیم کے بھائی کے جہاز منورت پر، راجہ جالسینی نے ایک جہاز دیا جس پر ظہیرالدین اور سنبل اور ان کے ساتھیوں کے گھوڑے تھے، راجہ کا بیٹا خود ایک دوسرے جہاز الاقیری پر ساتھ ہولیا، اس پر ساٹھ کشتی کھینے والے تھے جن کی حفاظت کے لئے (دوران جنگ) سائبان پڑا ہوا تھا، ابن بطوطہ الجاگیر پر سوار ہوا، اس کے ساتھ پچاس کشتیاں اور پچاس مسلح حبشی تھے، بحیرۂ ہند کے قزاق حبشیوں سے بہت ڈرتے تھے ایک حبشی بھی اگر کسی جہاز پر ہوتا تو ڈر کر اس پر حملہ نہیں کرتے تھے، دو دن بعد وفد جزیرہ بیرام (حالیہ بیرم) کے پاس پہنچا۔ دوسرے دن جہاز شہر قوقا (QOQA) کے قریب لنگر انداز ہوا، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی کشتیوں میں بیٹھ کر شہر دیکھنے گئے، اس شہر کا راجہ اپنے آپکو سلطان ہند کا فرمانبردار بتاتا تھا، لیکن در اصل باغی ہو گیا تھا۔ یہاں سے تین دن کے سفر کے بعد جہاز سندابور کے جزیرہ کے پاس پہنچا؛ (یہ جزیرہ ۱۳۱۲ء میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا کئی بار ہاتھ سے نکل گیا، مگر پھر آ یا، اس کا حالیہ نام گوا (GOA)

سولھویں صدی عیسوی سے شہرت پایا، جزیرے پر ۲۶ گاؤں آباد تھے سمندر کا پانی جب جزر کے وقت آبنائے سے ہٹ جاتا تو وہاں کا پانی پینے کے قابل میٹھا ہوتا، مد کے وقت کھاری ہو جاتا تھا، دوسرے دن وفد ہونادر (ہیادر) گیا، جو ایک آبنائے پر واقع ہے۔ بنشکال یعنی بارش کے موسم میں یہاں سخت طوفان ہوا کرتے تھے، جس کی وجہ سے چار ماہ تک یہاں صرف مچھلیاں پکڑنے ہی کی کشتیاں چل سکتی تھیں۔ پردے کے جہازوں کا چلنا قطعاً موقوف ہو جاتا تھا، اس نواح کی تمام عورتیں صرف ایک ساڑھی سے اپنا جسم ڈھانپتی تھیں، خوب صورت اور باعصمت تھیں، ناک میں سونے کی نتھ پہنتی تھیں۔ ان کو قرآن مجید از بر یاد تھا، ہونادر میں لڑکیوں کے ۱۳ اور لڑکوں کے ۲۳ مدرسے دیکھے گئے، ملیبار کے کسی اور شہر میں اتنے مدرسے نہیں پائے گئے، اس کے سلطان کا نام جمال الدین تھا (انگریزی کتاب میں پہلے جلال الدین لکھا گیا بعد کو جمال الدین) بہت نیک اور بہادر تھا، ملیبار کے باشندے اس کو سالانہ ایک معین رقم بطور فدیہ عطا کرتے تھے۔ اس کی فوج چھ ہزار سوار اور پیادوں پر مشتمل تھی، یہاں روٹی نہیں کھائی جاتی تھی۔ سب لوگ ہمیشہ چاول ہی کھایا کرتے تھے، ......

تین دن کے بعد جہاز ملیبار کے ساحل پر جا لگا۔ یہ ساحل فلفل اسود یعنی مرچ سیاہ اور دوسری قسم کے مصالحہ کے لئے مشہور ہے اور سندبور (یعنی گوا) سے کولم (ٹراونکور کا حالیہ نام کویلون (Quilon) پورے دو مہینے کا سفر تھا، ساحل کے بازو تمام راستے پر درختوں کا سایہ تھا

ہر نصف میل پر مسافروں کے بیٹھنے کے لئے ایک حجرہ اور اس میں ایک تخت (بینچ) ہوتا تھا، پاس ہی پینے کے پانی کی ایک باؤلی بھی ہوتی تھی۔ باؤلی کا نگہبان ہندوؤں کو برتن میں ڈال کر پانی دیتا تھا، لیکن مسلمانوں کو پینے کے لئے ان کے ہاتھوں میں اوپر سے ڈال دیتا تھا، ملیباری ہندو مسلمانوں کو اپنے گھروں میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے ان کو کھانے کی دعوت دیتے بھی تو کیلوں کے پتوں پر کھانا رکھتے لیکن ہر ٹھہرنے کے مقام پر مسلمان تاجروں نے اپنے لئے مکان بنا لئے تھے اس لئے انہیں کسی طرح کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی، راستہ کے بازو کی زمین کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جس پر کاشت نہ کی جاتی ہو۔ ہر شخص کے گھر کے گرد اس کا ایک باغ تھا، اور باغ کے اطراف لکڑی کی باڑ، شاہراہ باغوں میں سے گذرتی تھی، سب لوگ پاپیادہ پھرتے تھے. صرف حکمران راجہ کے پاس گھوڑے تھے، دولتمند ڈولی یا میانہ میں بیٹھ کر سفر کرتے تھے جس کو ملازم یا غلام اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے تھے، کوئی سامان جانوروں پر نہیں لادا جاتا تھا، آدمیوں ہی کے ذریعے منتقل کیا جاتا تھا، اس طرح ایک شخص کے پاس ایک سو تک بھی ملازم ہوتے تھے. راستہ بہت محفوظ تھا، کہیں چوری نہیں ہوتی تھی، مسلمانوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اگرچہ مذہبی تعصب کی وجہ سے کھانے پینے میں ان سے دوری برتی جاتی تھی، ملیبار کے اس وقت بارہ ہندو راجہ تھے، بعض کے پچاس ہزار تک بھی سپاہی تھے، بر ہیں ہم آپس میں کوئی نزاع نہ تھا، تخت

دتاج کا وارث بہن کا بیٹا ہوا کرتا تھا، عام وراثت کا بھی یہی طریقہ تھا سوائے برقع پوش (ملثمون) مسوفہ کی قوم کے کسی اور میں یہ طریقہ نہیں پایا گیا، انکا ذکر آگے آئے گا۔

ملیبار کا سب سے پہلا شہر جہاں ابن بطوطہ اور اس کے ہم سفر پہنچے ابا سرور (بارسیلو BARCELORE) تھا، یہ ایک بڑے آبنائے پر چھوٹا سا شہر تھا، یہاں ناریل کے درخت بہت ہوتے تھے۔ دو دن کے سفر کے بعد فاکنور گئے۔ (جواب بدکور کہلاتا ہے)، یہاں گنا بہت ہوتا تھا اور ملیبار بھر میں سب سے بہتر تھا، فاکنور میں مسلمانوں کے سردار کا لقب باسداد تھا، اس کے کوئی تیس جنگی جہاز تھے۔ جن کو لے کر لولا نامی ایک مسلمان تجار کے جہازوں کو لوٹتا تھا، سلطان ہند کے وفد جہاز جب لنگر انداز ہوئے تو مقامی راجہ نے اپنے بیٹے کو ضمانت یا کفالت میں ان کے پاس بھیجا، اور وفد کے لوگوں کو بڑی عزت کے ساتھ اپنے شہر میں مہمان رکھا، معمول تجار وغیرہ کے جہازوں سے نذرانہ یعنی حق بندرگاہ لئے بغیر ان کو گودی سے باہر جانے نہیں دیا جاتا تھا، یہاں سے نکل کر تین دن بعد وفد منجرور (منگلور) پہنچا جو ملیبار کی سب سے بڑی آبنائے دُمبّ پر واقع ہے، یہاں کالی مرچ اور ادرک کے لئے فارس اور یمن کے سوداگر بکثرت آیا کرتے تھے، اس کے راجہ رام داو کا شمار ملک کے سربرآوردہ راجاؤں میں تھا، شہر میں چار ہزار مسلمانوں کی آبادی تھی جو ایک حصہ میں بسی تھی۔ ہندو جب کبھی ان سے جھگڑتے تو راجہ اپنی تجارتی اغراض کی خاطر بیچ بچاؤ کرا دیتا تھا، جبتک

راجہ کا بیٹا ضمانت میں شاہی جہاز پر نہیں آیا وفد کا کوئی شخص شہر میں داخل نہیں ہوا جب لوگ داخل ہوئے تو ان کی بڑی خاطر تواضع کی گئی۔

تین دن کے قیام اور دو دن کے سفر کے بعد ہیلی نام کی ایک بڑی بندرگاہ آئی، چین سے ہندوستان آنے والے جہازوں کا یہ بعید ترین مقام تھا۔ کالیکٹ اور کلم کی بندرگاہوں پر بھی چینی جہاز ٹھہرتے تھے، ہیلی کی جامع مسجد کا مسلمان اور ہندو دونوں احترام کرتے تھے۔ اور اس کے لئے نذرانہ بھیجتے تھے۔ اس کی آمدنی سے کئی مسلمان طلبہ کی تعلیم و پرورش کا انتظام تھا، دوسرے غریبوں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا یہاں سے نکل کر سیاح جور پٹن دکن نور، دہ پٹن اور بود پٹن گئے ان شہروں کا راجہ کوئل کہلاتا تھا اور اس کا بڑا اثر تھا، دہ پٹن میں کوئل کے دادا کی بنائی ہوئی ایک پختہ باؤلی اور مسجد تھی، وہ مشرف بہ اسلام ہوا تھا، شہر میں برہمنوں کا بہت زور تھا، اور وہ مسلمانوں کے بہت مخالف تھے۔ وفد جب پندیرانی پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں عمدہ باغات اور بازار تھے مسلمانوں کے تین محلے تھے ہر ایک میں ایک مسجد تھی، چینی جہاز موسم سرما میں اسی گودی میں ٹھہرتے تھے۔ یہاں سے وفد قالی قوت (کالی کٹ)، کی بندرگاہ پہنچا، جو دنیا میں سب سے بڑی بندرگاہوں میں شمار ہوتی تھی۔ یہاں چین، سماٹرا، لنکا، مالدیپ، یمن اور فارس وغیرہ کے تاجر جمع ہوتے تھے، اس کے راجہ کو ابن بطوطہ سامری کا لقب دیتا ہے۔ (ملایالم زبان کا اصل لفظ سما توری یعنی شاہ سمندر ہے، اس کو بگاڑ کر پرتگالیوں نے بعد کو

زاموریٰن نام رکھا، یہیں پر مشقال نامی ایک بڑا مشہور دولتمند تاجر رہتا تھا جس کے بہت سے جہاز چین، یمن اور فارس جایا کرتے تھے۔ جب سلطان کا وفد بندرگاہ میں داخل ہوا تو راجہ کے نمائندہ نے اس کا بڑی شان کے ساتھ خیر مقدم کیا اور پر تکلف دعوت کی۔ اس وقت چین کے وہاں تیرہ جہاز تھے، جو چین جانے کی غرض سے موسمی ہوا کا انتظار کر رہے تھے، سلطان کے وفد کو بھی اس کے انتظار میں جہاز کو لنگر انداز کرنا پڑا۔ اس طرح وہ راجہ کا تین مہینہ مہمان رہا۔ ان دنوں بحیرۂ چین کا سفر چینی جہازوں ہی پر ہوا کرتا تھا۔

اس ضمن میں ابن بطوطہ چینی جہازوں کی تین قسموں کی تشریح کرتا ہے، بڑے جہاز جنک (JUNK) کہلاتے تھے، اب بھی یہ نام رائج ہے، اوسط جسامت کے ڈھو، اور چھوٹے ککم، (ڈھو کا نام ہندوستان وغیرہ میں بھی مشہور ہے۔ بڑے جہاز پر تین سے لے کر بارہ تک بادبان یا پردے ہوا کرتے تھے، جو بانس کی لکڑیوں کو ملا کر بوریوں کی شکل میں بنائے جاتے تھے، ان کو مستول پر سے اتارا نہیں جاتا تھا حتیٰ کہ لنگر اندازی کے وقت بھی ان پر ایک ہزار تک آدمی سوار ہوتے تھے، چھ سو ملاح اور چار سو سپاہی تیر و کمان اور سپر و منجنیق وغیرہ آلات سے تیار رہتے تھے، بڑے جہاز (جنک) کے ساتھ ساتھ تین چھوٹے جہاز بھی ہوتے تھے، جو نصف، تہائی اور چوتھائی کے نام سے منسوب تھے، یہ سب شہر زیتون اور سین کلاں کنیجی (CANTON) میں بنائے جاتے تھے، ان چھوٹے جہازوں

کو بڑے جہازوں کے لئے ہولے کے رک جانے کے وقت گودی میں لے جانے کے لئے استعمال کرتے تھے، جنگ پر تاجروں کے لئے چار عرشے ہوتے تھے، جن پر حجرے کیبن (CABIN) اور عام ملاقات کے کمرے ہوا کرتے تھے، کیبن متعدد چھوٹے کمروں اور حمام سے بھی آراستہ ہوتے تھے، ان کو اندر سے بند کرکے مسافر اپنی مستورات، لونڈیوں کے ساتھ پورا راستہ طے ہونے تک رہ سکتے تھے ملاحوں کے بچے بھی جہاز پر اُن کے ساتھ رہتے تھے۔ لکڑی کے ڈبوں میں مٹی ڈال کر ترکاریوں کی حسب ضرورت کاشت کی جاتی تھی، مالک جہاز کا نائب جہاز پر ایک بڑے امیر کی طرح رہتا تھا، ساحل پر اترتے وقت اس کے سامنے تیر کمانوں، تلواروں اور برچھوں سے مسلح حبشی سپاہیوں کی ایک بڑی جماعت بطور پہرہ کے چلتی تھی باجہ اور بوق کی آواز سے اس کی آمد کا اعلان کیا جاتا تھا، بعض چینی تاجروں کے پاس کثیر التعداد جہاز تھے۔ جن کو وہ دور دراز مقامات پر تجارت کیلئے بھیجا کرتے تھے۔ اس لئے ابن بطوطہ کہتا ہے کہ چینیوں سے بڑھ کر اسوقت کوئی قوم دولت مند نہ تھی۔

جب چین جانے کا وقت آیا تو زاموَرن نے چین کے تیرہ جہازوں میں سے (جو کالی کٹ کی گودی میں لنگر انداز تھے) ایک جہاز کو سلطان ہند کے وفد کے لئے متعین کیا، اس کا عامل سلیمان صفدی ابن بطوطہ کے ساتھ کسی قدر بے مروتی سے پیش آیا۔ اور اس کو ایک ایسا کیبن دیا جس میں

حمام نہ تھا، اس جہاز پر سنبل اور ظہیر الدین سلطان کے تحائف کے ساتھ سوار تھے۔ ابن بطوطہ اپنا سامان اور لونڈیاں اور غلام اس پر سوار کرا چکا تھا، لیکن نماز جمعہ شہر کی مسجد میں پڑھنے کی غرض سے ابھی ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا۔ جب اس کے ملازم نے کیبن کے ناقص ہونے کی اطلاع دی تو ابن بطوطہ نے عامل سے شکایت کی اس نے مجبوری ظاہر کی اور کہا کہ جنک کے ساتھ کے ایک ککم پر منتقل ہو جاؤ، وہاں بڑا کیبن مل سکے گا۔ جنک کے بڑے کیبن چینی تاجروں نے آنے اور جانے کے دو طرفہ سفر کے لئے محفوظ کرا لئے تھے، ابن بطوطہ نے ایسا ہی کیا اور اس کا سامان اور نوکر وغیرہ قبل نماز جمعہ ککم پر سوار کرا دیئے گئے۔ اس اثناء میں تمام جہاز گودی سے روانہ ہو گئے، وہاں اب سوائے سلطانِ ہند کے تحائف کے جہاز اور ایک اور جنک جس کا مالک قندرینہ میں موسم سرما گذارنا چاہتا تھا اور ابن بطوطہ کے سامان والے ککم کے اور کوئی جہاز نہ تھا۔ بدقسمتی سے عین اسی وقت اچانک ایک سخت طوفان اٹھا، ابھی بطوطہ اپنے جہاز ککم پر سوار نہ ہوا تھا کہ ککم اور تحائف کا جہاز طوفانی ہوا سے ساحل سے بہت دور ہٹ گئے۔ دوسرا جنک ساحل سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور جان و مال کا بہت نقصان ہوا، ہفتہ کی رات کو سلطان کے تحائف والے جہاز کا بھی یہی حال ہوا، سنبل اور ظہیر کی لاشیں ساحل پر ملیں۔ ابن بطوطہ نے نماز میت پڑھی اور ان کو دفن کیا، یہ صورت حال دیکھ کر ککم نے سمندر کا راستہ لیا اور ابن بطوطہ ساحل پر اکیلا رہ گیا، اس

امید ہیں کہ کلم آخر کار کلم جائے گا، وہ ساحل کے بازو آبنائے کے راستے سے کلم کی طرف چلا، پانچ دن کے بعد، کنجا کری نام کے ایک مقام پر پہنچا جو پہاڑ کی چوٹی پر یہودیوں سے آباد تھا، ان ہی میں کا ایک یہودی شہر کا گورنر منتخب ہوتا تھا، اور کلم کے راجہ کا باجگذار تھا، ابنائے کے دونوں بازو دارچینی اور سرخ رنگ کی لکڑی کے درخت تھے، (اس لکڑی کا نام بعد کو اسپین پرتگال اور فرانس والوں نے برازیل وڈ (BRAZILWOOD) رکھا جب جنوبی امریکہ میں بعد کو ایسی لکڑی دستیاب ہوئی تو اس کے لئے بھی یہی نام تجویز ہوا اور بالآخر اس خطۂ ملک کو بھی برازیل کہنے لگے۔ جہاں یہ لکڑی پیدا ہوتی تھی۔ ان درختوں کی ایسی افراط تھی کہ کھانا پکانے کے لئے بھی ان کی لکڑی جلائی جاتی تھی۔ جب ابن بطوطہ کلم پہنچا تو اس کو ایک بہترین شہر پایا، بازار وسیع اور بارونق تھا، اس کے تاجر جو سول کہلاتے تھے بڑے ہی دولت مند تھے۔ ان میں کا ایک ایک شخص سارا جہاز مع سامانِ تجارت خرید سکتا تھا، یہاں مسلمانوں کی ایک جامع مسجد بڑی شاندار خواجہ مہذب کی بنائی ہوئی تھی، دریافت کرنے پر کلم کا تو پتہ نہ چلا البتہ چینی سفارے ملے جن کا جنک دوسرے جنک کی طرح ساحل سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا تھا، چینی تاجروں نے اپنے ہم وطنوں کے لئے کپڑے اور ضروری سامان مہیا کر دیئے اور ان کو ایک دوسرے جہاز پر سوار کرا کے وطن بھجوا دیا، چنانچہ ابن بطوطہ جب چین گیا تو وہاں ان سے اس کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔

اس کا پہلے ارادہ ہوا کہ کلم سے دہلی واپس جا کر سلطان کو تحائف سفرا، اور جہاز کے ڈوبنے کی اطلاع دے۔ لیکن ڈرا کہ اگر وہ پوچھے کہ تحائف کے جہاز پر خود کیوں نہیں ٹھہرا تو کیا جواب دیا جاسکے گا، اس لئے سلطان ہونا ور جمال الدین کے پاس اپنے کلم کی صحیح اطلاع ملنے تک ٹھہرنے کا قصد کیا، جب وہاں پہنچا تو سلطان جمال الدین ۵۲ جہازوں پر گووا کے راجہ کے بیٹے کی مدد کے لئے فوج اور سامان جنگ بھیج رہا تھا کیونکہ اسوقت باپ بیٹے میں جنگ تھی، بیٹے نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر جمال الدین کی مدد سے وہ کامیاب ہو گیا تو مشرف بہ اسلام ہو جائیگا۔ ابن بطوطہ نے اس مہم میں شریک ہونا چاہا۔ قرآن مجید میں استخارہ کیا تو خوشخبری کی آیت برآمد ہوئی۔ جمال الدین نے یہ دیکھ کر بذات خود اپنی فوج کی سپہ سالاری اپنے ذمہ لی اور جہازوں کے ساتھ گووا پہنچا بالآخر مسلمانوں کی فتح ہوئی، جمال الدین راجہ کے محل میں منتقل ہوا، لیکن شہر اور قلعہ کی عورتوں اور بچوں کو رہا کر دیا۔ گووا میں تین ماہ ٹھہرنے کے بعد ابن بطوطہ نے ہونا ور جانے کی اجازت لی۔ پھر منجرور (منگلور) وغیرہ سے کالیکٹ پہنچا، وہاں سے الشالیات گیا جو نہایت خوبصورت شہر تھا یہاں ایک مشہور کپڑا بنتا تھا، جس کا نام مقام کی مناسبت سے پرتگالیوں نے شالی اور فرانسیسیوں نے شالے رکھا۔ شائد حالیہ مستعمل لفظ شال کی یہی وجہ تسمیہ ہوگی، الشالیات کو اب بے پور کہتے ہیں) ابن بطوطہ یہاں ایک عرصہ تک ٹھہر کر کالی کٹ واپس ہوا تو اس کے کلم کے دو غلام وہاں واپس آئے انھوں نے کہا کہ سوماترا کے فرماں روا نے اس کی لونڈیوں کو پکڑ لیا

اور اس کے دوسرے سامان پر جو کلم پر تھا، مختلف آدمیوں نے قبضہ کر لیا، اس کے ساتھی چین، سوماٹرا، اور بنگالہ میں منتشر ہو گئے تھے۔ اس لئے وہ مجبوراً پہلے ہوناور اور پھر سندابور (گوا) واپس ہوا۔

باب (۹)

سندپور (گووا) کے سابق کافرفرماں روانے اپنا ملک واپس لینے کے لئے فوج کشی کی، کفار بھاگ کر اس کے ساتھ ہو لئے، ابن بطوطہ اور دوسرے مسلمانوں کو قلعہ بند ہونا پڑا، جب محاصرہ کی تکلیف بہت ہونے لگی تو وہ کالی کٹ واپس چلا گیا، اور وہاں سے ذیبت المہل (جزائر مالدیپ) کو جانے کا قصد کیا، ان جزائر کی نسبت بہت دل چسپ قصے مشہور تھے۔ کالی کٹ سے جہاز وہاں دس دن میں پہنچا، جزیروں کی تعداد تقریباً دو ہزار کے ہے، ایک ایک سو یا اس سے کم جزیروں کا حلقہ سمندر میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اس حلقہ میں آمدورفت کا صرف ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ ایک حلقہ سے دوسرے حلقہ کو جانے کے لئے جہاز پر وہیں کے ناخدا کی ضرورت ہے، بغیر اس کے زیر آب چٹانوں کی وجہ سے جہاز کے ٹوٹنے کا اندیشہ رہتا ہے، جزیرے باہم دیگر اتنے نزدیک ہیں کہ ایک سے نکلتے ہی دوسرے کے ناریل کے درخت دکھائی دیتے ہیں۔ اگر جہاز راستہ سے بھٹک جائے تو اس کی واپسی مشکل ہے، سمندری ہوائیں اس کو یا تو کورومنڈل (ملیبار) کے ساحل کو دھکیل کر لے جاتی ہیں۔ یا سراندیپ کے پاس (جزائر مالدیپ) کے باشندے اگرچہ ملاح اور سیاح زمانہ قدیم سے واقف تھے اور ان کے باشندے بارھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہوئے، ابن بطوطہ ہی پہلا شخص ہے

جس نے تعلیم یافتہ دنیا کو ان سے روشناس کرایا۔

وہ کہتا ہے کہ تمام باشندے مسلمان، پابند مذہب اور راست باز ہیں۔ جزیروں کا بارہ صوبوں میں تقسیم ہوئی تھی، ہر ایک صوبہ پہ ایک کردوئی یا گورنر (KARDUI) نگراں تھا، مہل کا صوبہ جس سے تمام جزائر کا نام ذیبت المہل رکھا گیا تھا۔ سلطان کی قیام گاہ تھی۔ صرف ایک صوبہ میں ایک قسم کی اناج کی کاشت کی جاتی تھی۔ عام خوراک ایک مچھلی تھی، اس کا گوشت سرخ تھا اور بو، بکرے کی گوشت کی سی۔ اس میں چربی بالکل نہ تھی۔ کاٹ کر اس کے چار ٹکڑے خفیف سا پکا لیے جاتے پھر ناریل کے پتوں سے بنے ہوئے ٹوکروں میں ان کو دھواں دیا جاتا تھا۔ اس کا نام (قلب الماس) دراصل کالوبیلی یا اس کا معرب ہے، ہندوستان چین اور یمن کو بھی (ناریل کے ساتھ) بھیجی جاتی تھی۔ یہاں ناریل کے درخت بہت ہیں، ناریل بھی غذا اور دوسرے کاموں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، ان جزائر کے باشندے نحیف الجثہ اور صلح پسند ہوتے ہیں لڑنے سے ناواقف، ایک دن بحیثیت قاضی ابن بطوطہ نے ایک سارق کا ہاتھ کاٹنے کے لئے حکم دیا، تو حاضرین میں سے کئی ایک بے ہوش ہوگئے، ہندوستان کے قزاق ان کو نہیں ستاتے تھے، عام عقیدہ تھا کہ ان کی بد دعا سے ان کے ستانے والوں کو از خود سزا مل جاتی تھی۔ ہر جزیرہ صاف ستھری مسجدوں سے آراستہ تھا، مکانات لکڑی کے ہوتے تھے، گرمی کی وجہ سے لوگ دن میں دو مرتبہ نہاتے تھے

اور جسم پر عطر اور روغنِ صندل ملا کرتے تھے، مرد لوگ صرف ایک تہبند باندھا کرتے تھے اور پیٹھ پر ایسا ہی ایک کپڑا اوڑھ لیتے تھے بعضوں کے سر پر عمامہ ہوتا تھا، یا چھوٹا سا رومال جہاں کہیں قاضی یا کوئی اور مذہبی پیشوا نظر آتا، اس کے سامنے پیٹھ پر کی اوڑھنی اتار دی جاتی تھی اور لوگ اسی حالت میں اس کو اس کے مکان تک پہنچاتے تھے غریب و امیر سب ننگے پاؤں پھرتے تھے، سڑکیں جھاڑو دے کر صاف رکھی جاتی تھیں، سڑکوں کے ہر دو جانب درخت تھے، ان میں سے چلنا ایسا ہی خوشگوار تھا، جیسا باغ میں ٹہلنا، بریں ہم جب کبھی کوئی شخص گھر یا مسجد میں داخل ہوتا تو پیش دالان میں پانی سے بھرے ہوئے ایک مٹکے میں سے پانی لے کر پاؤں دھو لیتا اور ایک ناریل کے ریشے سے بنے ہوئے توال (تولیہ) سے پونچھ لیتا۔

ان جزائر سے علاوہ کالی خشک مچھلی اور ناریل کا کپڑا، عمامے اور پیتلی برتن بھی باہر بھیجے جاتے تھے، (جو غالباً ملکی پیداوار نہیں بلکہ سوداگری میں حاصل کئے جاتے تھے) کوڑیوں اور قنبر کی بڑی مقدار میں برآمد تھی۔ ناریل کے ریشوں کو ساحل کے قریب گڑھوں میں سڑا کر نرم ہونے کے بعد ان کو ڈنڈوں سے پیٹا جاتا تھا اور پھر ان سے جہازوں کے رسے تیار کئے جاتے تھے، اس کو قنبر کہتے تھے یہ رسے تختوں کو ملا کر باندھنے میں بہت استعمال کئے جاتے تھے، اگر کشتی سمندر کی کسی پوشیدہ چٹان سے ٹکرائے تو لوہے کی میخوں سے جوڑے ہوئے تختے ایک

دوسرے سے جدا ہو جاتے لیکن اسی رسی سے باندھے ہوئے تختے رسی کی لچک کی وجہ سے باہم پیوستہ ہی رہتے۔ کوڑی ایک نرم جسم کے سمندری جانور کا خول ہے۔ ان جانوروں کا نشوونما بافراط سمندر کے پانی میں ہوتا ہے۔ وہاں سے ان کو نکال کر بڑے بڑے گڑھوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ جانور جب مر کر سوکھ جاتا ہے تو اس کا خول جمع کر لیا، اور بطور زر معاملات خرید و فروخت میں استعمال کیا جاتا ہے، عموماً چار لاکھ کوڑیاں ایک طلائی دینار کے مساوی سمجھی جاتی تھیں۔ کبھی ان کی قیمت اتنی گر جاتی تھی کہ ۱۲ لاکھ کوڑیاں ایک دینار کی برابر تصور کی جاتی تھیں، بنگالہ سے چاول کوڑیوں ہی کے معاوضہ میں خریدا جاتا تھا یمن کے جہازوں پر ان کو بطور وزن بجائے ریت اور پتھر کے تھیلوں کے جگہ کی قیام پذیری کے لئے استعمال کیا جاتا تھا حبشیوں کے ملک میں بھی کوڑیاں بطور زر استعمال ہوتی تھیں۔

مالدیپ کی عورتوں کے ہاتھ ننگے چھوڑ دیئے جاتے تھے، حتیٰ کہ انکی حکمران رانی کے بھی بالوں کو ناریل کا تیل لگا کر کنگھا کیا جاتا تھا اور سر کے ایک طرف جوڑا باندھ دیا جاتا تھا، ان میں سے اکثر اپنا کمر کے اوپر کا حصۂ جسم برہنہ رکھتی تھیں جب ابن بطوطہ قاضی مقرر ہوا تو اس نے برہنگی کو دور کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی البتہ اس کے سامنے کوئی عورت اس نیم برہنہ لباس میں حاضر نہ ہو سکتی تھی، عورتیں پانچ یا اس سے کم دینار لے کر غیر شخص کے

پاس گھریلو کام کرنے کے لئے نوکر ہو جاتی تھیں، دولت مند میں سے زیادہ بھی ایسی خادمہ عورتیں ملازم رکھتے تھے ان کے خورد و نوش اور دیگر اخراجات نوکر رکھنے والے کے ذمہ ہوتے تھے۔ اگر کسی عورت کے ہاتھ سے کوئی برتن گر کر پھوٹ جاتا تو اس کی قیمت عورت کو دی ہوئی رقم میں محسوب کر لی جاتی، نئے مالک یا آقا کے ہاں منتقل ہونے وقت اس کو یہ رقم سابق آقا کو دینی پڑتی تھی۔ شادی یہاں بہت آسان تھی، اس لئے کہ مہر بہت کم باندھا جاتا تھا۔ جب کوئی جہاز وہاں آتا تو مسافر وغیرہ ان جزائر کی عورتوں سے شادی کر لیتے اور جاتے وقت ان کو طلاق دے دیتے یہ بڑی بُری رسم تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی عورت اپنے ملک سے باہر جانا نہیں چاہتی تھی۔

اس وقت جزائر مالدیپ کی حکمراں ایک عورت خدیجہ نامی تھی اس کا دادا پھر اس کا باپ اور اس کے مرنے کے بعد نابالغ بھائی شہاب الدین حکمران ہوا شہاب الدین کو معزول کر کے قتل کر دیا گیا، تو خاندان شاہی میں صرف خدیجہ اور اس کی دو چھوٹی بہنیں رہ گئیں، اس لئے اسی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے ملک کے واعظ جمال الدین سے نکاح کر لیا اور اس کو اپنا وزیر بنا لیا۔ احکام خدیجہ کے نام سے جاری ہوتے تھے لیکن حقیقت میں جمال الدین کی حکومت تھی، کاغذ صرف قرآن مجید اور مذہبی کتابیں لکھنے کے لئے استعمال ہوتا تھا باقی تمام تحریرات ناریل کے پتوں پر ہوا کرتی تھیں، لوہے کا ایک نوک دار مڑا ہوا کیلا بطور قلم استعمال ہوتا تھا،

جب کبھی کوئی اجنبی شخص دربار شاہی میں حاضر ہوتا تو اس کو پارچہ کے دو چھوٹے تھان ساتھ لے جانا پڑتے، پہلے سلطانہ کو آداب بجا لاکر اسکے سامنے ایک پارچہ زمین پر رکھ دیا جاتا، پھر وزیر جمال الدین کو سلام کرکے اس کے سامنے دوسرا پارچہ رکھ دیا جاتا، فوج میں صرف ایک ہزار سپاہی تھے، اکثر باہر سے آئے ہوئے، بعض اہل وطن سے بھی تھے۔ انکا کام زیادہ تر روزانہ شاہی محل میں حاضر ہوکر سلام کرنا ہوتا تھا تنخواہ چاول کی ایک معین مقدار مقرر تھی، قاضی اور دوسرے حکام کا بھی یہی طریقہ تھا، قاضی کی تمام حکام سے بڑھ کر اطاعت اور عزت کی جاتی تھی، سلطان کے حکم کی برابر بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے حکم کی تعمیل کی جاتی تھی۔ ملک میں کوئی محبس نہ تھا، مجرم کو سوداگروں کے گودام میں بند کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ مراکش میں عیسائی قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔

ابن بطوطہ پہلے کنا لوس نام کے ایک جزیرہ پر اترا، وہاں سے مہل نامی جزیرہ کو جانا چاہتا تھا، ذفار کے ایک باشندے نے اس سے کہا کہ اگر تم مہل جاؤگے تو وزیر تم کو وہاں سے نکلنے نہ دے گا، قضات کی خدمت پر مامور کردیگا کیونکہ وہاں اس کی ضرورت ہے، وہ چاہتا تھا کہ مہل دیکھ لینے کے بعد ساحل کورمنڈل (معبر) سیلان (لنکا) اور بنگالہ دیکھتا ہوا چین جائے۔ اس لئے جب جہاز مہل پہنچا، اور مسافر کپتان کے ساتھ وزیر کے دربار میں سلام کو حاضر ہوئے، تو کپتان نے حسب خواہش ابن بطوطہ بوقت سوال اس سے لا علمی ظاہر کی لیکن کسی نے پہلے ہی سے بذریعہ خط وزیر کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن بطوطہ

دہلی میں منصبِ قضارت پر مامور تھا حسب قاعدہ مقررہ بسلام اور پارچہ اندازی کی رسم کے بعد حاضری دربار کے ساتھ عطر اور پان وغیرہ کا سلوک کیا گیا۔ ان کو مہمان رکھ کر چاول کباب مرغ گھی اور مچھلی سے ان کی ضیافت کی گئی، دو دن بعد وزیر نے ابن بطوطہ کو مہمانوں کے سامان خورد و نوش کے ساتھ ایک لاکھ کوڑیاں بھی عطا کیں۔

جب دس دن گذرے تو لنکا سے چند عرب اور ایرانی درویش وہاں پہنچے، انھوں نے اس کو پہچان کر وزیر کے ملازموں سے کہہ دیا کہ وہ کون تھا وزیر یہ سن کر اور بھی خوش ہوا اور اس کو قاضی مقرر کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اوائل رمضان میں ملک کے دوسرے وزیروں اور امیروں کے ساتھ اسکی ضیافت کی ...... جب ابن بطوطہ نے درویشوں اور دیگر عمائد شہر کی دعوت کرنے کی اجازت چاہی تو وزیر جمال الدین نے خود بھی شریک ہونے کا خیال ظاہر کیا اور پانچ بکرے (جو باہر ہی سے آسکتے تھے) اور ضیافت کے تمام لوازمات دیئے۔ وزیر سلیمان نے پکوان کا بہت اچھا انتظام کیا۔ وزیر جمال الدین اور دیگر عمائد شہر دعوت میں شریک ہوئے۔ کھانے کے بعد قرآن و قرات قرآن بڑی خوش الحانی سے ہوئی۔ پھر درویشوں نے گاتے ہوئے آگ پر رقص کیا، اور بعضوں نے تو آگ کے ڈلے مٹھائی کیطرح منھ میں ڈال کر کھا لئے، جمال الدین نے ابن بطوطہ کو ریشمی کپڑوں اور زیورات کے ساتھ دو لونڈیوں سے سرفراز کیا۔ اس نے شکریہ ادا کیا۔

وزیر سلیمان اپنی لڑکی کا عقد ابن بطوطہ سے کرنا چاہتا تھا، جب اس نے

وزیر جمال الدین سے اس امر کی اجازت چاہی تو قاصد نے اطلاع دی کہ اجازت نہیں ملے گی کیونکہ وہ خود اپنی بیوہ لڑکی کو اس کے بیاہ میں دینے کا قصد رکھتا تھا، صرف عدت کے دن گذرنے کا انتظار تھا۔ اس بدنصیب لڑکی کے پہلے دو شوہر شبِ زفاف سے قبل مر چکے تھے۔ ابن بطوطہ نے وہم کر کے عقد سے انکار کیا، اس اثنا میں وہ بخار میں مبتلا ہو گیا اور محل سے چلا جانا چاہا۔ لیکن جمال الدین نے اس کے جانے کے خلاف دقتیں پیدا کیں۔ بالآخر سمجھانے پر ابن بطوطہ محل میں سکونت اختیار کرنے کے لئے راضی ہو گیا لیکن اپنے چند شرائط منظور کرا لئے۔

اوائل رمضان میں ابن بطوطہ کا عقد وزیر سلیمان کی لڑکی سے ہونے ہی کو تھا اور وزیر جمال الدین نے اس کی اجازت بھی دے دی تھی، لیکن خود دلہن نے عقد سے انکار کیا، چونکہ مہمان سب جمع ہو چکے تھے اس لئے وزیر کے کہنے پر سلطانہ کی ایک رشتہ دار سے (جس کی بیٹی سے وزیر کا لڑکا بیاہا جا چکا تھا) شادی کر لی، قاضی نے نکاح باندھ دیا، وزیر نے جہیز ادا کیا۔ اور کچھ دنوں بعد عورت ابن بطوطہ کے گھر پہنچا دی گئی کہتا ہے کہ وہ بہترین عورتوں میں سے تھی، اس شادی کے بعد وزیر نے اس کو منصبِ قضارت قبول کرنے پر مجبور کیا، اس نے سابقہ بدعنوانیاں رفع کیں اور احکام شرع کی سختی سے پابندی کرائی۔ پھر اس نے مزید تین عورتوں سے عقد کیا جس میں سے ایک کا باپ پہلے وزیر تھا، اور اہل ملک کے پاس اس کی بڑی عزت تھی۔ اسکا دادا ایک زمانہ میں ملک کا سلطان تھا، ایک

دوسری عورت شہاب الدین کی پہلی بیوی تھی۔

ان تعلقات کی وجہ سے لوگ اس سے ڈرنے لگے اور وزیر جمال الدین کو سکھا کر اس کا دشمن بنا دیا۔ بالآخر مرحوم سلطان شہاب الدین کے ایک غلام کو زنا کے ارتکاب میں سزائے شرعی نافذ کرنے پر جمال الدین نے ازراہ حماقت اس کی تنسیخ کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ بادشاہ ہندوستان کے خوف سے کوئی اس کو نقصان پہنچانے کی جرارت نہ کرتا تھا گرچہ ہندوستان وہاں سے بہت دور تھا آخر کار ابن بطوطہ نے محل سے چلے جانے کی قسم کھائی اور ابراہیم نامی ایک کپتان کے جہاز پر جزیرہ ملوک سے معبر جانے کا قصد کر لیا چنانچہ وسط ربیع الثانی ۷۴۵ھ (۲۲ راگست ۱۳۴۴ء) کو روانہ ہوا، چار مہینے بعد معلوم ہوا کہ جمال الدین کا انتقال ہو گیا۔ اس نے اس کی مغفرت کی دعا کی۔ اس جہاز پر کوئی تجربہ کار ناخدا نہ تھا، معبر جانے کیلئے صرف تین دن کافی تھے، جہاز آٹھ دن چلا۔ اور نویں دن سیلون (لنکا) کے جزیرہ سے جا لگا، کوہ سراندیپ آسمان کی طرف اٹھا ہوا دھوئیں کا ایک مینار نظر آیا۔ ابن بطوطہ کا جہاز اٹری چکروتی نامی راجہ کی ایک بندرگاہ میں داخل ہوا۔ اس کی نسبت مشہور تھا، کہ وہ ظالم اور قزاقوں سے ملا ہوا تھا مگر مسافر مجبور تھے۔ اس لئے کہ سمندر پر طوفان اٹھ رہا تھا ابن بطوطہ نے جہاز سے اتر کر باشندگان ساحل سے کہا کہ وہ بادشاہ معبر کا بہنوئی تھا اور اٹری چکروتی کے لئے تحائف لایا تھا، یہ سن کر اس نے ابن بطوطہ کو اپنے شہر بتالہ میں طلب کیا، یہاں ساحل پر دار چینی کے درخت بکثرت ہیں

جن کو سیلاب کا پانی قریب کے پہاڑوں سے اکھیڑ کر لاتا ہے۔ معبر اور ملیبار کے لوگ ان کو مفت لے جاتے تھے۔ صرف راجہ کو پارچہ وغیرہ کی قسم کے تحفے دے دیا کرتے تھے، اس مقام سے معبر صرف ایک دن اور ایک رات کا سفر تھا، اسراندیپ اس جزیرہ کا عربی اور فارسی نام ہے سیلون قدیم سنسکرت نام سمہالا دوپیا یعنی جزیرہ سکونت شیر شرزہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ پالی زبان میں یہ لفظ سیہالم اور پھر سیلان یا سیلون بن گیا، پانڈیوں نے ۱۳۱۴ء میں سیلون کی قدیم بادشاہت پر قبضہ کر لیا جب کہ معبر میں ان کے پایۂ تخت مدورا پر مسلمان مسلط ہو گئے۔ کم از کم تیسری صدی قبل مسیح سے اس وقت تک معبر پر پانڈیوں کی حکومت چلی آرہی تھی۔ سیلون پر پانڈیوں کا حملہ آریا چکرورتی نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں ہوا، ابن بطوطہ جس کا ذکر کرتا ہے وہ اس کا ہم نام تھا، اور اس نے ۱۳۷۱ء میں کولمبو وغیرہ میں قلعے تیار کئے۔ پانڈیوں کا مرکز حکومت جزیرہ جفنا تھا) جب آریا چکرورتی سے ابن بطوطہ ملنے گیا تو اس نے اس کا بہت احترام کیا یہ کہہ کر معبر کا بادشاہ اور وہ دوست تھے، کئی دن ابن بطوطہ اور اسکے ساتھیوں کو اپنا مہمان رکھا۔ راجہ فارسی زبان جانتا تھا۔ ابن بطوطہ نے مختلف ممالک اور بادشاہوں کے قصے بیان کئے۔ ایک دن راجہ نے اسکو چند بیش قیمت موتی عطا کئے۔ اور پوچھا اس کی کیا خواہش ہے اس نے کہا کہ وہ سراندیپ پر حضرت آدمؑ کے قدم کی زیارت کرنا چاہتا ہے راجہ نے اسکے ساتھ اپنا محافظ دستہ بھیج کر پہاڑ پر پہنچانے کا وعدہ کیا، جہاز کے کپتان

سے رخصت ہونا چاہا تو اس نے ابن بطوطہ کی واپسی تک ٹھہرنے کا ارادہ ظاہر کیا، راجہ نے اس کو اس مدت تک اپنا مہمان بنایا۔

راجہ کے دیئے ہوئے میانہ میں بیٹھ کر ابن بطوطہ چار جوگیوں، تین برہمنوں، دس ہمراہیوں اور پندرہ باربرداروں کے ساتھ پہاڑ کیطرف چلا، پہلے بانس کی کشتی میں سوار ہو کر ایک ندی کو عبور کر لیا، پھر مینار مندلی نام کے ایک خوشنما شہر میں پہنچے، جو راجہ کی سرحد پر واقع تھا، شہر والوں نے بھینس کے بچھڑوں کو ذبح کر کے اس کی پرتکلف ضیافت کی بعد کو ایک چھوٹے شہر (بندر سلاورت (CHILAW) ہوتے ہوئے نہروں سے کٹی ہوئی غیر مسطح سرزمین سے گذرے، یہاں اگرچہ بہت ہاتھی تھے، لیکن شیخ ابو عبد اللہؒ کی دعا کی برکت سے (جنھوں نے نشان قدم حضرت آدمؑ کی زیارت کے لئے سب سے پہلے راستہ صاف کیا تھا) ہاتھی زائروں اور اجنبی لوگوں کے مزاحم نہیں ہوتے تھے، اسی طرح یہاں کے باشندے بھی پہلے مسلمانوں کو زیارت کے لئے جانے سے روکتے اور ان کے ساتھ کسی قسم کے روابط مثلاً ساتھ کھانا، گھر پر بلانا وغیرہ جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن شیخ موصوف کے متعلق ایک سابقہ باب میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس کی وجہ سے اب صورت حال بدل گئی تھی، اس وقت تک بھی لوگ ان کو شیخ اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

آگے کورونگالہ ملا، جو سیلون کی قدیم بادشاہی کے اس وقت کے جانشینوں کا پایۂ تخت تھا، (ابن بطوطہ اس کو کنکار کہتا ہے صحیح نام سنسکرت

لفظ کنور بمعنے شہزادہ سے بنا ہے) یہ شہر دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک وادی کے اندر آباد ہے، اسکے قریب ایک بڑا تالاب ہے، جس میں سے لعل یاقوت برآمد ہوتے تھے، اس لئے اس کا نام لعلوں کا تالاب مشہور تھا، شہر کے باہر شیخ عثمان شیرازی (چاوش) کی مسجد ہے، یہاں کا بادشاہ اور اہل ملک سب انکی قبر کی زیارت کرتے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ یہ بزرگ نشان آدم کو زائروں کو بطور رہنما پہاڑ تک لے جایا کرتے تھے، ملک کی گاؤ پرستی سے ناواقفیت کی حالت میں انھوں نے ایک گائے کو ذبح کر دیا تھا، ہندوؤں کا قانون تھا کہ جو کوئی بھی گائے کو مارے اس کو اسی طرح قتل کیا جائے یا گائے کے چمڑے میں لپیٹ کر آگ میں جلا دیا جائے۔ شیخ شاوش کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا گیا، لیکن ان کی قوت بسری کے لئے ایک بازار کی آمدنی مقرر کر دی گئی۔ اس معذوری کی حالت میں شیخ عثمان کے لڑکے اور ملازم ان کی جگہ زائرین کی رہنمائی کرنے لگے۔ یہاں کے راجہ کے پاس ایک سفید رنگ کا ہاتھی تھا، تہواروں کے موقعوں پر وہ اس پر سوار ہو کر نکلتا تھا ہاتھی کے ماتھے پر بڑے بڑے لعل باندھے جاتے تھے، ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اسنے دنیا بھر میں کسی اور جگہ سفید ہاتھی نہیں دیکھا اس جگہ بہرمان نامی نہایت خوشرنگ یاقوت (CARBUNALE —) دستیاب ہوتا تھا، اسی تالاب کے لعل بہت قیمتی تھے، سیلون میں تقریباً ہر جگہ لعل ملتے ہیں۔ پکھراج اور نیلم کے بھی یہاں معدن ہیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ ایک سو فنم (معادل چھ طلائی دینار) سے زائد کے جواہر اگر کسی کو ملیں تو راجہ ان کو لے لیتا تھا لیکن ان کی قیمت ادا کر دیتا تھا۔

کمت قیمت کے جواہر جس کسی کو ملتے اسی کی ملکیت تصور کئے جاتے۔ شہر سے
نکل کر استاد محمود لوری نام کے ایک عابد کے بنائے ہوئے غار کے پاس
پہنچے پھر بندروں کے تالاب کو گئے، انکے منھ کالے دُم بہت لمبی اور نروں کے
انسانوں کی طرح ڈاڑھی بھی ہوتی تھی، انکا ایک سردار ہوا کرتا تھا جس کی
وہ مثلِ انسانوں کے اطاعت کرتے تھے، ان کے خاطیوں کو سزا دی جاتی تھی۔
ان کی متمدن زندگی کے دلچسپ قصے مشہور تھے، وہاں سے آگے بڑھے تو
بڑھیا کی جھونپڑی ملی۔ آباد خطہ کی یہ آخر منزل تھی، اب جھنساروں میں سے چلنا
پڑا، یہاں درختوں پر سے اڑ کر کاٹنے والی جونک بڑا ستاتی تھی، اس کے
کاٹنے سے خون بہت بہتا تھا اس لئے لوگ یہاں اپنے ساتھ لیمو رکھتے تھے
جوں ہی جسم پر جونک بیٹھی لیمو نچوڑ دیا جاتا تھا، اور وہ اسی وقت گرجاتی
تھی، زخم کو لکڑی کی ایک چھری سے کرید دیا جاتا تھا۔

بابا آدمؑ کا پہاڑ (کوہ سراندیپ) اتنا بلند تھا کہ سمندر پر
نو دن کے راستہ سے نظر آتا تھا، جب ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی
پہاڑ پر چڑھے تو ابر ان کے نیچے ہو گیا اور پہاڑ کا دامن اس سے
چھپ گیا، پہاڑ پر دائمی سبز درخت اور رنگ برنگ کے پھول
تھے ایک سرخ گلاب بھی تھا، جو ہتھیلی کے برابر چوڑا تھا۔ اوپر
چڑھنے کا راستہ راہ بابا کہلاتا ہے اور زیادہ دشوار گذار ہے
اترنے کا راستہ راہ ماما حوّا کے نام سے مشہور ہے اور نسبتاً
بہت آسان ہے، زیارت کے لئے دشوار گذار راستہ پہلے

ہی جانا لازمی تصور کیا جاتا تھا، آسان راستہ سے جانا تکمیل ضابطہ نہ سمجھا جاتا تھا، چڑھنے کے راستہ پر زیادہ مشکل جگہوں پر لوگوں نے زنجیریں نصب کرادی تھیں (جواب بھی موجود ہیں) لوگ ان کے سہارے چڑھا کرتے تھے، دس زنجیریں تھیں، دو پہاڑ کے دامن میں سات اوپر کے حصّہ میں، آخری زنجیر ایمان کی کہلاتی تھی، اس لئے کہ یہاں پہنچ کر جب پہاڑ کے نیچے کی طرف دیکھا جاتا تھا تو سر چکرا تا اور گرنے کے خوف سے لوگ کلمۂ توحید پڑھ لیا کرتے... ۔ آخری زنجیر کے بعد سات میل پر خضرؑ کا بھنسار ہے۔ اس کے بازو پر ایک چشمہ مچھلیوں سے بھرا ہے لیکن کوئی ان کو پکڑتا نہیں۔ اس کے بازو چٹان میں تراشے ہوئے دو تالاب راستہ کے دونوں بازو ہیں خضرؑ کے بھنسارے پر زائرین اپنا مال واسباب امانتاً رکھ چھوڑتے تھے۔ بوقت واپسی حاصل کرلیتے مسند بدرو میل پر اوپر چڑھنے پر نشان قدم ملتا ہے۔ یہ ایک وسیع چٹان پر گیارہ بالشت لمبا اور کافی گہرا ہے، قدیم زمانہ میں چینی اس پر سے پیر کے انگوٹھے اور قریب کے حصہ کا نشان کاٹ کر لے لئے اور اس کو شہر زیتون کے بت خانہ میں بطور تبرک نصب کر دیا، عام رواج تھا کہ خضرؑ کے بھنسارے پر زائرین تین دن ٹھہرتے اور ہر صبح نشانِ قدم کی زیارت کو جاتے۔ اس کے بعد ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی راہ ماما کو سے نیچے اتر آئے۔ راستے میں کئی گاؤں ملے۔ بیان کیا جاتا تھا کہ یہاں دامن کوہ میں ایک درخت تھا، جس کے پتے کبھی نہیں گرتے تھے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ، ابن بطوطہ کی کسی ایسے شخص سے ملاقات نہیں ہوئی جس نے ان پتوں کو دیکھا بھی تھا، درخت تک پہنچنا مشکل تھا، وہاں چند جوگی نظر آئے جو پتوں کو گرتے دیکھنے کی توقع میں دائماً ٹھہرے ہوئے تھے، اس کے متعلق اور جھوٹے قصوں میں یہ قصہ بھی مشہور تھا کہ اگر کوئی بوڑھا اس کا پتہ کھالے تو جوان ہوجاتا ہے۔ پہاڑ کے نیچے یاقوت کی کان کا بڑا تالاب تھا، جس کے پانی کا رنگ نیلا تھا۔ وہاں سے وہ دیوندرا نام کے شہر کو گئے (اس کو ابن بطوطہ کردستان کے مشہور شہر کی مناسبت سے جو کردان کے شمال مشرق میں واقع ہے، دینور کہتا ہے) یہ شہر ساحل کے قریب تھا اس میں بہت تاجر رہتے تھے، اس کے دیول میں ایک ہزار برہمن اور جوگی اور پانچ سو گانے والی جوان ہندو عورتیں تھیں، جو بت کے سامنے راتوں کو گاتی اور ناچتی تھیں، ان کے لئے حکومت کی طرف سے آمدنی وقف تھی۔ بت سونے کا بنا تھا، اس کی آنکھوں میں دو بڑے یاقوت جڑے ہوئے تھے، جو رات کو چراغ کی طرح چمکتے تھے۔ پرتگالیوں نے ۱۵۸۷ء میں وشنو کے اس قدیم دیول کو تباہ کر دیا، یہ لنکا کے انتہائی جنوبی مقام پر قریب ڈونڈرا ہیڈ ..... (DONDRA HEAD) ــــ واقع تھا۔ یہاں سے اٹھارہ میل پر قالی نام کا (POINT DE GALLE) ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ وہاں سے نکل کر ابن بطوطہ کلان بو (کولمبو) پہنچا، جو بادشاہ اور اس

کے وزیر بحر جاکستی کا مقام سکونت تھا ، بالآخر ابن بطوطہ یہاں سے چل کر راجہ ایری چکرورتی کے پاس واپس آیا، کپتان ابراہیم اس کے انتظار میں تھا ، اس کے ساتھ معبد کو واپس ہوا۔

(کوہ سراندیپ کی سب سے اونچی چوٹی حالیہ پیمائش سے ۸۲۹۱ فٹ بلند ہے۔ نشان قدم بابا آدم علیہ السلام کی چوٹی ۷۳۵۲ فٹ بلند ہے)

باب (۱۰)

معبر سے ساحل کورومنڈل جاتے وقت ایک سخت طوفان اٹھا اور ابن بطوطہ کا جہاز پانی سے بھر گیا، اللہ تعالیٰ نے خیر کی کہ چٹانوں سے نہیں ٹکرایا، لیکن ساحل سے چھ میل پر کم گہرائی کے پانی میں پھنس گیا لوگوں نے اپنا سارا سامان پھینک ڈالا، تاکہ جہاز تیر سکے مستول کاٹ دیا گیا، لکڑی کے تختوں کو باندھ کر مسافروں کو ساحل تک پہنچانے کے لئے ایک عارضی سفینہ بنایا گیا، ابن بطوطہ کے دو ساتھی تھے اور دو کنیزیں تھیں آخر الذکر میں سے ایک تیرنا جانتی تھی، وہ تو سفینہ کی رسی پکڑ کر ساحل کیطرف چلی گئی۔ بقیہ سفینہ پر سوار کرا دیئے گئے۔ ملاح بھی سفینہ کے ساتھ رسیاں پکڑے تیرتے چلے گئے۔ ہوا موافق تھی سفینہ ابن بطوطہ کے چند قیمتی اشیاء از قسم جواہر وغیرہ سمیت خشکی سے جا لگا۔ کپتان جہاز کے سکان پر سوار ہو گیا۔ اتنے میں رات ہو گئی ابن بطوطہ مجبوراً جہاز پر ہی ٹھہرا رہا۔ صبح ہی اس نواح کے کافر کشتی میں بیٹھ کر وہاں آگئے، ان کے ساتھ ابن بطوطہ معبر کے ساحل پر اترا۔ ملک کا یہ حصہ سلطان ہند کے علاقہ میں آچکا تھا، مقامی گورنر کو اطلاع دی گئی جو دو دن کی راہ پر قلعہ ہرکیٹو میں مقیم تھا، (یہ ارکاٹ کا شہر نہ تھا صرف ایک قلعہ تھا ممکن ہے اس طرف کا سارا علاقہ ہرکیٹو یا ارکاٹ کہلاتا ہو، لفظ ارکاٹ تامل زبان میں اری کد بمعنی چھ جنگل تھا) اس وقت غیاث الدین دامغانی گورنر

تھا جو سابق گورنر جلال الدین کا داماد تھا، (مسلمانوں نے ۱۳۱۱ء میں معبر فتح کیا، سلطان محمد بن تغلق نے جلال الدین کو معبر کا فوجی گورنر مقرر کیا، لیکن اس نے ۱۳۳۵ء میں اپنے آپ کو خود مختار گردانا، پانچ سال بعد وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ پر ایک دوسرا سپہ سالار گورنر مقرر ہوا، اسکے بعد بالآخر غیاث الدین دامغانی فائز ہوا) ابن بطوطہ نے دہلی میں جلال الدین کی دوسری بیٹی سے عقد کیا تھا۔ گورنر کے دربار میں جانے کے لئے جوتے پہننا ناگزیر تھا، اس کے پاس جوتے نہ تھے کسی مسلمان عہدہ دار کو اتنی بھی اسلامی حمیت نہ تھی کہ ایک جوڑا پاپوش اس کو مستعار دیتا یا بنوا تا، ایک ہندو نے اس کی مدد کی ابن بطوطہ جب غیاث الدین کے دربار میں داخل ہوا تو اس کی بڑی عزت کی گئی، اثنائے گفتگو میں اس نے جزائر مالدیپ کو فوج بھیج کر فتح کرنے کا مشورہ دیا، سلطان کی بہن کے ساتھ غیاث الدین کا عقد اور تحائف وغیرہ کے منصوبے بھی طے کر لئے گئے، لیکن موسمی ہوا ناموافق ہونے کی وجہ سے یہ مہم ملتوی کر دی گئی۔ اور ابن بطوطہ گورنر کے ساتھ فتن چلا گیا، (شاید ناگاپٹن ہو یا کاوری پٹن۔ آخر الذکر مقام ممکن ہے ۱۳۵۰ء کے قریب دریائے کاوری کے دہانہ پر طغیانی میں بہہ گیا ہو۔ اس سے پہلے نہیں، تعجب ہے کہ ابن بطوطہ بندرگاہ کائل کا ذکر نہیں کرتا ہے، جس کو مارکو پولو (CAIL) کہتا ہے، اور جو اسوقت ٹوٹی کورن کے جنوب میں ٹامراپرنی ندی کے دہانے پر ایک بڑا مشہور مقام تھا) یہاں سے معبر کے دار الحکومت مدورا کو جانا قرار پایا، اور پھر وہاں سے جزائر الدیپ کو مہم بھیجنا طے ہوا۔

فتن سے مدورا جانے کے لئے درختوں اور دلدل گھاس کے گنجان جنگلوں میں سے گذرنا پڑا اس لئے گورنر کا حکم تھا کہ ہر شخص کلہاڑی ساتھ لے چلے، اور چھوٹا ہو کہ بڑا آدمی جنگل کے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنائے۔ راستہ میں جتنے بھی اصل باشندگان ملک ملتے تھے ان کو ان کے عورتوں بچوں کے ساتھ گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ رات کو جہاں قیام ہوتا پڑاؤ کے گرد لکڑیوں کے ستون نصب کر کے چار دروازوں پر پہرے قائم کئے جاتے تھے۔ اگر جنگل کے لوگ پڑاؤ پر حملہ کرتے تو آگ جلا کر تیز روشنی کی جاتی، اور ان کا تعاقب کیا جاتا، جو گرفتار کئے جاتے ان کو سولی دی جاتی۔ افسوس کا مقام ہے کہ بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا جاتا تھا، ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گورنر کی اس بے رحمی کا بہت جلد انتقام لیا۔ اس طرز عمل سے تنگ آکر ابن بطوطہ اجازت لے کر فتن چلا گیا، فتن بڑا شہر تھا اس کی بندرگاہ بہت وسیع تھی، ساحل پر سمندر میں بڑے بڑے ستون نصب کر کے گودی پانی میں دور تک بنادی گئی تھی۔ اگر کوئی دشمن حملہ کرتا تو جہاز اور کشتیاں سب اس گودی کے اندر محفوظ کر دیئے جاتے۔ شہر میں پتھر کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد تھی، یہاں عمدہ انگور اور انار پیدا ہوتے تھے۔ ابن بطوطہ نے شیخ محمد نیشاپوری سے ملاقات کی۔ اس فرقہ کے درویشوں کے سر کے بال بہت لمبے ہوتے تھے۔ جن کو وہ گردن کے پیچھے لٹکتے چھوڑ دیتے تھے۔ شیخ نے ایک شیر ببر پالا تھا مریدوں میں سے ایک کا ہرن اس ببر کے ساتھ ایک ہی جگہ کھاتا پیتا اور رہتا تھا ببر کبھی نہیں چھیڑتا تھا، اس زمانہ میں غیاث الدین گورنر معبر بیمار

ہو کر وہاں آیا۔ ابن بطوطہ نے اس سے ملاقات کی اور ایک بیش بہا تحفہ اس کے نذر کیا، گورنر اس کا معاوضہ دینا چاہتا تھا لیکن اس نے قبول نہیں کیا، بعد کو پچھتایا کیوں کہ دو ہفتے کے قیام کے بعد وہ مدورا گیا اور وہاں کچھ دنوں بعد مر گیا، ابن بطوطہ کا فتن میں مزید دو ہفتے قیام رہا۔

اس کے بعد جب وہ مدورا گیا، تو وہاں مرض طاعون سے موت کا بازار گرم تھا۔ غیاث الدین کی ماں بیوی اور بیٹا سب اس مرض میں گرفتار تھے تین دن بعد غیاث الدین شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک ندی کے کنارے اتر پڑا، ابن بطوطہ بھی اس کے ساتھ ہو لیا، قاضی کے ساتھ اس کے رہنے کا انتظام کیا گیا، ٹھیک چودہ دن بعد مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بھتیجا ناصر الدین معبر کا حاکم مقرر ہوا۔ ابن بطوطہ کو جزائر مالدیپ کی مہم کیلئے مقرر کیا گیا، لیکن وہ طاعون میں مبتلا ہو گیا۔ خوش قسمتی سے آدھ سیر تمر ہندی کا زلال بطور مسہل استعمال کر کے بچ گیا، ناصر الدین سے اجازت لے کر حالت نقاہت میں فتن واپس گیا، وہاں آٹھ جہاز یمن جانے کے لئے تیار تھے ان میں سے ایک پر سوار ہو گیا۔ راستہ میں چار جنگی جہازوں سے جھڑپ رہی لیکن بچ کر نکل گیا، اور کولم (QUILON) پہنچا، ابھی کمزوری باقی تھی اس لئے وہاں تین مہینہ ٹھہر کر جمال الدین سلطان ہنیدر کے پاس جانے کی غرض سے ایک جہاز پر سوار ہوا۔ ہنیور اور فاکنور کے بیچ میں ایک چھوٹے جزیرہ کے قریب (جو بعد کو کبوتروں کے جزیرہ کے نام سے مشہور ہوا)

قزاقوں کے بارہ جنگی جہازوں سے مقابلہ رہا۔ بالآخر قزاقوں نے اسکا سارا سامان مال واسباب چھین لیا۔ صرف جسم پہ پاجامہ باقی رہ گیا، لوٹنے کے بعد قزاقوں نے مسافروں کو ساحل پر چھوڑ دیا، ابن بطوطہ کو اس بے سروسامانی کے ساتھ کالیکٹ کی ایک مسجد میں پناہ لینا پڑی ایک فقیہ اور ایک سوداگر نے اس کو کپڑے دیئے اور قاضی نے عمامہ۔

یہاں معلوم ہوا کہ جزائر مالدیپ کی سلطانہ خدیجہ نے وزیر جمال الدین کے انتقال کے بعد وزیر عبداللہ سے عقد کر لیا۔ اور ابن بطوطہ کی زوجہ کے جو اس کی روانگی کے وقت حاملہ تھی ایک لڑکا تولد ہوا، قرآن مجید میں استخارہ کر کے دس دن کے بحری سفر کے بعد وہ جزیرہ کنالوس پر پہنچا، وزیر عبداللہ کو جب معلوم ہوا کہ ابن بطوطہ اپنے لڑکے کو (جو اس وقت دو برس کا تھا) لینے آیا ہے (نہ کہ سلطان ہند کی طرف سے فوج کشی کرنے) تو اس کو جزیرہ محل میں اپنا مہمان رکھا، لڑکے کی ماں لڑکے کو اس کے سپرد کرنے کے لئے تیار نہ تھی، ابن بطوطہ نے بھی بالآخر یہی مناسب سمجھا کہ بچہ ماں کے پاس رہے، صرف دیکھ کر اس کو واپس کر دیا، پانچ دن ٹھہر کر یمن جانے کا ارادہ فسخ کر دیا۔ اور بنگال کو جانے والے جہاز پر سوار ہوا۔ اس خطہ زمین کو وہ بہت وسیع و شاداب بیان کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ دنیا کے کسی دوسرے ملک میں اتنی ارزانی دیکھنے میں نہیں آئی۔ برایں ہمہ یہاں ایک قسم کی اداسی چھائی ہوئی تھی خراسان کے لوگ اس سرزمین کو اچھی چیزوں سے بھرا ہوا جہنم کہتے تھے۔ ایک درہم کو آٹھ مرغ، یا پندرہ کبوتر ملتے تھے، دو درہم کو ایک فربہ مینڈھا، اعلیٰ قسم

کا باریک کپڑا کم از کم پندرہ گز لمبا دو دینار کو اور ایک حسین کنیز کی صرف
ایک سنہری دینار یعنی مراکش کے ڈھائی سونے کے دینار کو دستیاب ہوتے
تھے ، مسافر سب سے پہلے خلیج بنگال کے ساحلی شہر سات گاؤں میں اترے ،
(جو حالیہ شہر ہوگلی کے شمال مغرب میں دریائے ہوگلی پر پرتگالیوں کے
بندرگاہ ہوگلی کے قائم کرنے سے پہلے مشہور تجارتی شہر تھا ۔ یول (YULE)
کا خیال ہے کہ یہ شہر سات گاؤں نہیں بلکہ حالیہ چٹاگانگ تھا ، لیکن سلطان
فخر الدین کا تعلق اس شہر سے ایک بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے) اس کے قریب
ہی دریائے گنگا اور برہما پترا کا سنگم ہے ۔ دریا پر ایک بھاری جنگی بیڑا
رہتا تھا جس کو لے کر سلطان بنگال فخر الدین لکھنوتی کے باشندوں سے
جنگ کرنے جایا کرتا تھا ، لکھنوتی دراصل لکشمی وتی ہے ، حالیہ شہر غور زیر عرصہ
دراز تک مسلم بنگالہ کے دارالحکومت کا قدیم نام تھا ، مسلمانوں نے ۱۲۰۴ء
بنگالہ فتح کیا (غور کے کھنڈر مالدا کے قریب موجود ہیں) فخر الدین ممالک
اسلام سے آنیوالے مسافروں خصوصاً فقیروں و صوفیوں کا بڑا دوست اور
مہمان نواز تھا ، سلطان ناصر الدین بنگالہ کا پہلا مسلم بادشاہ تھا ، سلطان
دہلی نے اس کے پوتے کو قید کر لیا تھا ، محمد بن تغلق جب دہلی کا بادشاہ ہوا تو
اس نے اس کو اس شرط پر رہا کیا کہ بنگالہ کی بادشاہت میں سلطان دہلی کو
شریک مانے لیکن یہ وعدہ ایفا نہ ہوا اس لئے محمد بن تغلق نے اس سے جنگ
کی اور اس کو قتل کروا دیا ، اس کی جگہ پر اپنے ایک عزیز کو بادشاہ مقرر کیا
فوج والوں نے اس کو قتل کر دیا ۔ لکھنوتی کے علی شاہ نے اس پر قبضہ

کرلیا، جب فخرالدین نے دیکھا کہ بنگال کی حکومت ناصرالدین کے خاندان سے نکل گئی تو بحیثیت ہ جبگدار خاندان ناصرالدین نے بغاوت کی۔ اور خودمختار بن گیا، ہر موسم باراں میں، اپنا بحری بیڑا لے کر لکھنوتی پر چڑھائی کرتا تھا، لیکن، ختم بارش پر علی شاہ اس کا جوابی حملہ شروع کرتا تھا۔

سات گاؤں سے ابن بطوطہ ایک ماہ کا سفر کرکے کوہ کامروپ پہنچا ان پہاڑوں کا سلسلہ چین اور تبت تک چلا جاتا ہے، تبت اپنے مشک والے ہرن کی وجہ سے اس وقت مشہور تھا۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ اس نواح کے باشندے ترکوں سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ بہت محنتی اور تیزی سے کام کرتے تھے۔ ابھی شیخ جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ دو دن کی راہ تھی کہ ان کے چار مرید اس کی مشایعت کو آئے۔ کہا کہ شیخ نے ان کو سیاح مغرب کے آنے کی خبر دی اور وہ اس کو بلانے آئے تھے۔ یہاں کسی قسم کی کاشت نہ ہوتی تھی۔ شیخ کی سکونت ایک غار میں تھی۔ مسلم وغیر مسلم سب شیخ کی خدمت اشیائے خورد و نوش و ملبوسات وغیرہ سے کرتے تھے، شیخ تمام سامان اپنے حلقے کے درویشوں میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ صرف ایک گائے کے دودھ پر بسر اوقات کرتے تھے، صائم الدہر تھے اور کہتا ہے دس دن میں ایک مرتبہ روزہ افطار کرتے تھے۔ انہیں کے برکات سے اس پہاڑ کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب ابن بطوطہ ان کے سامنے حاضر ہوا تو اٹھ کر بغلگیر ہوئے اور بڑی مہربانی سے پیش آئے

تین دن وہ ان کا مہمان رہا۔ وقت ملاقات اس نے شیخ کو ایک بڑا پوستین پہنے ہوئے دیکھا، دل میں خیال کیا کیا خوب ہوتا شیخ اس کو یہ پوستین عنایت فرماتے، رخصت ہوتے وقت شیخ نے اسے یہ پوستین پہنا دیا، درویشوں نے بعد کو اس سے کہا کہ شیخ نے ابن بطوطہ کے آنے سے پہلے کبھی یہ پوستین نہیں پہنا تھا، ایک دن ان سے فرمایا کہ سیاح مراکش آئے گا، اور پوستین مانگے گا۔ جو در اصل شیخ برہان الدین ساغرج کا تھا اس سیاح سے آگے چل کر ایک کافر فرمانروا یہ پوستین لے لے گا۔ مگر وہ بالآخر شیخ برہان الدین کو مل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک مدت کے بعد جب ابن بطوطہ چین کو گیا تو شہر خنسنہ (HONGCHOWFU) کے بازار میں بھیڑ کی کثرت سے وہ اپنے ساتھیوں سے چھوٹ گیا، اس وقت یہ پوستین پہنے ہوئے تھا، اتفاقاً اس ملک کا وزیر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ وہاں آ پہنچا، اس کو دیکھ کر پاس بلایا اور مصافحہ کر کے مزاج پرسی کی اس کا وطن دریافت کیا۔ گفتگو کرتے ہوئے اس کو دربار شاہی لے گیا، بادشاہ چین نے مسلمان بادشاہوں کے متعلق سوال کئے اور اس کے پوستین کو بنظر پسندیدگی دیکھا۔ وزیر نے کہا پوستین بادشاہ کی نذر کر دو۔ مجبوراً ایسا ہی کرنا پڑا۔ بادشاہ نے اس کے معاوضہ میں دس قیمتی پوشاکیں عطا کیں، ایک سال بعد وہ خان بالق دیکھنے پہنچ کر شیخ برہان الدین ساغرج کی خانقاہ میں داخل ہوا تو شیخ کو وہی پوستین پہنے کتاب کا مطالعہ کرتے دیکھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ شیخ جلال الدین

تبریزی نے ان کو کامروپ سے خط لکھا، کہ ان کا پوستین ان کو ایک سیاح مغرب کے توسط سے پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ابن بطوطہ نے وہ خط پڑھا اور شیخ کی غیب دانی پر تعجب کیا۔ شیخ برہان الدین نے بیان کیا کہ شیخ جلال الدین صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھا کرتے تھے، اور حج کے زمانہ میں عرفہ اور عید کے دن مریدوں کی نظروں سے غائب ہو جاتے اور کعبۃ اللہ کا حج کر کے واپس ہوتے تھے، کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ کہاں گئے، اس وقت ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ اللہ کے جوار رحمت میں داخل ہو گئے تھے۔

شیخ جلال الدین کے پاس سے چل کر ابن بطوطہ ہبنق (HABANQ) کے وسیع اور خوب صورت شہر میں پہنچا جو ایک بڑی ندی پر واقع تھا، یہ کامروپ کے پہاڑوں سے نکلتی تھی، اور نیلی ندی (BLUE RIVER) کے نام سے مشہور تھی، اس کے دونوں جانب مثل دریائے نیل گاؤں آباد تھے، باشندے غیر مسلم تھے مگر مسلم حکومت کے تحت۔ ابن بطوطہ کشتی میں بیٹھ کر اسی ندی کے راستے دریا کے دہانہ کی طرف چلا، سلطان فخر الدین کے حکم کے بموجب درویشوں سے کسی قسم کا کرایہ یا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس سے بھی نہیں لیا گیا۔ پندرہ دن کے سفر کے بعد وہ

سونارگاؤں پہنچا، (جو ڈھاکہ کے جنوب مشرق پندرہ میل پر واقع ہے اور مسلم بنگالہ کے تین دارالخلافتوں میں سے ایک تھا، یہاں سوماٹرا جانے والا ایک جہاز تیار تھا۔ یہ سفر چالیس دن کا تھا، وہ اس پر سوار ہو گیا۔

باب (۱۱)

سونارگاؤں سے چل کر پندرہ دن بعد جہاز برہنہ کار نام کی قوم کے ملک کو پہنچا۔ جن کے مردوں کی صورت کتوں کی سی تھی اور عورتیں خوب صورت تھیں، یہ لوگ نہ ہندو تھے اور نہ مسلمان گھاس کی جھونپڑیوں میں ان کی بودوباش تھی، مرد یا تو پورے ننگے پھرتے تھے یا گھاس کی ایک تھیلی کمر سے لٹکا کر ستر چھپاتے تھے، عورتیں کمر سے نیچے پتے باندھ کر اپنی عریانی دور کرتی تھیں یہاں بنگالہ اور سوماٹرا کے مسلمان بھی رہتے تھے، لیکن ایک الگ محلہ میں، اہل ملک باہر سے آنے والے سوداگروں سے معاملہ ساحل ہی پر کیا کرتے تھے۔ اور ان کے لئے ملک کے اندرونی حصہ سے ہاتھیوں پر پانی بھر کر لایا کرتے تھے۔ خود ان کو ملک کے اندر داخل ہونے نہیں دیتے تھے، اس لئے کہ ڈرتے تھے کہ ملک کی عورتیں کہیں ان پہ عاشق نہ ہو جائیں، یہاں ہاتھی بہت تھے۔ مگر سب بادشاہ کی ملک متصور ہوتے تھے، وہ اگر ان کو بیچتا بھی تو کپڑے کے معاوضہ میں بیچتا تھا، پہلے یہ سمجھا گیا تھا کہ برہنہ کار کے لوگوں کا ملک جزیرہ انڈیمان یا نکوبار تھا، بعد کو حسب راشہ یول اراکان قرار پایا جو برما میں جزیرہ نگریس (NEGROIS) کے قریب واقع ہے، ان کا بادشاہ ابن بطوطہ اور ان کے ساتھیوں سے ملنے ہاتھی پر آیا۔ بکرے کی پوستین کا لباس

پہنا ہوا تھا۔ سر پر تین رنگین ریشمی فیتے بندھے ہوئے تھے، اس کے ہمراہ کوئی بیس قرابت دار ہاتھیوں پر بیٹھ کر آئے، اہل جہاز نے بادشاہ کو فلفل، ادرک، الائچی، جزائر مالدیپ کی سوکھی مچھلی، اور بنگالہ کا بنا ہوا کپڑا بطور تحفہ دیا۔ یہاں کے باشندے خود تو کپڑا نہیں پہنتے تھے، تیرتھ کے موقعوں پر ہاتھیوں کی پیٹھ پر بچھاتے تھے، ہر جہاز سے جو بندرگاہ ہذا میں آتا تھا، ایک کنیزک، ایک سفید فام غلام، ہاتھی کی پیٹھ کی وسعت کا کپڑا، سونے کے ۔۔ لات ز بادشاہ کی بیوی کے لئے کمربند پازیب اور پاؤں کے چھلے، پیش کرنا لازمی تھا۔ اگر یہ خراج ادا نہیں کیا جاتا تو مشہور تھا کہ سمندر جاتے وقت جہاز جادو کے اثر سے طوفان میں پورا یا قریب قریب پورا تباہ ہو جاتا تھا۔

یہاں سے چل کر سیاح ۲۵ دن بعد جزیرۂ سوماٹرا پر پہنچے، جو ان دنوں عام طور پر جاوا کہلاتا تھا، جاوی نام کی خوشبو کی شئے اسی جزیرے سے منسوب تھی، جزیرہ آدھے دن کے راستہ سے دکھلائی دیا، بہت سرسبز و شاداب تھا، ناریل اریکا (ARECA) یعنی چھالیا (سپاری)، لونگ، عود الہند، کٹھل، آم، جامن، میٹھی نارنگی اور کافور کے درخت بکثرت تھے، خرید و فروخت میں قلعی (TIN) اور چینی زر خام کے ٹکڑے استعمال ہوتے تھے، خوشبوئیات کے اکثر و بیشتر درخت کفار کے علاقہ میں تھے، مسلمانوں کے خطہ میں

بہت کم تھے، جب جہاز بندرگاہ میں داخل ہوا تو باشندے چھوٹی کشتیوں میں، ناریل، کیلے، آم، اور مچھلی لے کر پہنچے، امیرالبحر کا نمائندہ بھی آپہنچا، اور سوداگروں سے گفتگو کر کے ان کو خشکی پر اترنے کی اجازت دی۔ جب سلطان کو ابن بطوطہ کے آنے کی خبر ملی تو امیر ڈولسہ (DOWLASA) کو قاضی اور دیگر علمار کے ساتھ بھیجا۔ ان کے ہمراہ ابن بطوطہ اور اس کے چند ساتھیوں کی سواری کے لئے گھوڑے بھی تھے۔ ان پر سوار ہو کر وہ سلطان کے شہر سوماٹرا میں آئے جو وسیع اور خوش منظر تھا۔ لکڑی کی دیوار اور لکڑی کے میناروں سے گھرا ہوا تھا، (ان دنوں ملایا کے جزائر عموماً جاوا کے نام سے مشہور تھے، جاوا صغیر سے مراد حال جزیرہ سوماٹرا اور جاوا اکبر سے مراد حالیہ جزیرہ جاوا متصور تھے، تیرہویں صدی عیسوی میں جنوبی ہند کے تاجروں اور مبلغوں نے سوماٹرا میں بتدریج اسلام پھیلایا۔ اس صدی کے آخری دس برس میں غالباً شہر سوماٹرا کی تاسیس سے چند سال قبل مسلمانوں نے اس جزیرہ پر اپنی بادشاہت قائم کی، اس زمانہ میں اکثر و بیشتر مسلمان بادشاہوں کا لقب "الملک الظاہر" تھا۔

سلطان سوماٹرا الملک الظاہر ایک ممتاز اور فیاض حاکم تھا اس کو فقیہوں سے بڑی انسیت تھی، دینی مسائل کے مباحث تما کفار کی تردید کی جاتی تھی تو بڑی خوشی سے سنتا تھا منکسرالمزاج

ایسا کہ جمعہ کی نماز کو پاپیادہ مسجد جاتا تھا، اس کی مسلم رعایا اس کے ساتھ جہاد میں ہم نوا تھی۔ کفار مسلمانوں سے دبتے تھے۔ اور جزیہ ادا کر کے اُس کے ملک میں امن سے زندگی بسر کرتے تھے، ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی سلطان کے دربار میں داخل ہونے سے پہلے سواریوں سے اتر پڑے۔ اس مقام پہ دو رویہ برچھیاں زمین میں سیدھی کھڑی کردی گئی تھیں۔ دربار کے کمرے میں داخل ہوئے تو افسر متعلقہ نے اٹھ کر ان سے مصافحہ کیا، سلطان کو ان کی حاضری کی ایک عریضہ کے ذریعہ اطلاع کی گئی۔ ملازم ایک بقچہ لے آیا، افسر نے اس میں سے تین تہہ بند نکالے ایک خالص ریشم کا تھا اور دوسرا ریشم اور سوت کا اور تیسرا ریشم اور کتان کا۔ تین لباس اندر پہننے کے تین ان کے اوپر اور تین اونی ان سب کے اوپر پہننے کے تھے جن میں سے ایک سفید تھا، تین عمامے بھی عطا ہوئے، سیاح اس طرح وہاں کا درباری لباس پہن کر کھانا کھانے کے بعد ایک باغ میں افسر متعلقہ کے ساتھ داخل ہوئے اور وہاں ایک مکان میں بیٹھ گئے۔ پھر امیر دولسہ (DOWLASA) نے دو کنیزیں اور دو ملازم نرینہ سلطان کی طرف سے ابن بطوطہ کو عطا کر کے کہا کہ یہ تحفہ سلطان سوماترا نے اپنی بساط کے مطابق بھیجا ہے، اسے معلوم ہے کہ بادشاہ ہند کے عطیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ابن بطوطہ امیر دولسہ سے دہلی میں مل چکا تھا، جب کہ وہ وہاں سفیر کی حیثیت سے آیا ہوا تھا۔ تین رات گذر جانے کے بعد بموجب روایات ملک سیاح سفر کے تکان سے آرام پا کر چکے تھے۔ دن جو جمعہ تھا سلطان کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ اس اثناء میں وہ سلطان کی طرف سے روزانہ تین مرتبہ کھانے میوے اور مٹھائیوں سے سرفراز ہوتے رہے، جامع مسجد میں سلطان نماز سے فارغ ہو کر ایک خاص احاطہ میں رونق افروز ہوا۔ ابن بطوطہ سے مصافحہ کرکے بیٹھنے کی اجازت دی اور سلطان محمد بن تغلق کے متعلق پوچھا پھر حالات سفر دریافت کئے نماز عصر تک مسجد ہی میں ٹھہرا رہا۔ پھر شاہی لباس پہن کر جو نفیس ریشم اور روئی کے بنے تھے، ہاتھی پر سوار ہوا۔ اور شاہی محل کو روانہ ہوا۔ امراء دربار اس کے پیچھے گھوڑوں پر سوار ہوئے، قاعدہ یہ تھا کہ اگر سلطان گھوڑے پر سوار ہوتا تو امراء ہاتھی پر سوار ہوتے تھے۔ یہاں وہ دربار کے رسوم بیان کرتا ہے، گھوڑوں کو قیمتی زیورات پہنا کر رقص کراتے تھے۔ ایسا ہی جیسا کہ اس نے دربار دہلی میں دیکھا تھا۔

ابن بطوطہ پندرہ دن مہمان شاہی رہا، چونکہ چین کے بحری سفر کا وقت آ گیا تھا۔ اس لئے اجازت لے کر روانہ ہوا، سلطان نے ازراہ کرم ایک جہاز اس کے لئے مہیا کیا، اور ہر قسم کا ساز و سامان معہ قیمتی تحائف عطا کیا، اس نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔ سیاح سلطان کے ممالک کے کنارے پر سے چوبیس دن سفر کرکے مل جاول کے ملک کو پہنچے جو کفار کا علاقہ تھا۔ اور دو مہینے میں طے ہوتا تھا، اس میں بہترین قسم کا عنبر انہ قسم قاقلی و قماری دستیاب

ہوتا تھا، عنبر (یعنی ایلوے) کی ان قسموں ہی کی مناسبت ان مقاموں کا نام قاقلا و قمارا مشہور تھا) (قاقلا غالباً ملایا کا جزیرہ نما قریب حالیہ کیلنتان (KELANTAN) تھا۔ اور قمارا خمیر (KHMER) جو خلیج سیام کے مقابل کی جانب کمبوڈیا کا قدیم نام تھا) سلطان سوماٹرا کے ملک میں صرف لوبان، کافور، لونگ، اور کچھ عود الہند کی کاشت ہوتی تھی،

قاقلا کی بندرگاہ میں کئی جہاز سوداگروں کو لوٹ لینے کے لئے تیار تھے۔ اس جگہ جو جہاز آتا اس سے بھاری محصول لیا جاتا تھا، اگر اس کے دینے میں تاخیر ہوتی تو بہ جبر وصول کیا جاتا، قاقلا کا شہر خوبصورت تھا۔ اس کے گرد پتھر کی فصیل تھی۔ یہاں بار برداری کا سارا کام ہاتھیوں سے لیا جاتا تھا۔ لوگ عود ہندی کی لکڑی ہاتھیوں پر لاد کر لے جاتے تھے، اور گھروں میں جلاتے تھے۔ کیوں کہ وہاں بڑی کثرت سے اس کے درخت تھے البتہ باہر بھیجتے وقت کافی قیمت لی جاتی تھی۔ ہر شخص کے دروازے پر اس کی سواری کا ہاتھی تیار رہتا تھا، خواہ وہ ملازم سرکار ہو، یا سوداگر۔ شمالی چین و ختا میں بھی اس نے (یہی) کیفیت دیکھی۔

مل جاوا کا بادشاہ غیر مسلم تھا۔ زمین پر بیٹھ کر اپنی فوج کے قواعد و فنون سپہ گری کا معائینہ کرتا تھا۔ بادشاہ کے سوا وہاں کسی کے پاس گھوڑے نہ تھے؛ ابن بطوطہ نے اس غیر مسلم کو جس طرح مسلمان سلام کرتے ہیں۔ اسی طرح سلام کیا، بادشاہ نے ایک فرش بچھوا کر اس کو

بیٹھنے کے لئے کہا۔ ابن بطوطہ نے معذرت کی کہ جب بادشاہ خود زمین پر بیٹھا ہو تو وہ فرش پر کیوں کر بیٹھ سکتا ہے۔ لیکن کہا گیا کہ اس ملک کا مہمانوں کے ساتھ یہی دستور ہے، وہ بیٹھ گیا۔ سلطان ہند کا کچھ ذکر رہا۔ تین دن مہمان رہنے کی دعوت دی گئی۔ اثناء گفتگو میں ایک شخص نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر دیر تک وہاں کی زبان میں کچھ کہا۔ اس کے گلے میں جلد سازوں کا سا مڑا ہوا ایک چاقو تھا۔ دونوں ہاتھوں میں اس کے سرے پکڑ کر اس زور سے چاقو کو گردن پر دبایا، کہ سر کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے بیان کیا کہ وہ شخص اس کا موروثی ملازم تھا، بادشاہ کی محبت اور اس کے احسانات کے صلہ میں اس نے اپنے آپ کو اس پر سے فدا کر دیا۔ ایسا ہی جیسا کہ اس کے باپ نے بادشاہ کے باپ کے ...... سامنے اور دادا نے بادشاہ کے دادا کے سامنے کیا تھا، پھر اس فدائی کے بیوی بچوں اور قریبی رشتہ داروں کے نام کافی تنخواہیں اور معاش جاری کر دی گئی۔

ل جاوا سے چل کر چونتیس (۳۴) دن سمت رکا سفر کرنا پڑا اسکے بعد بحر الکاہل میں داخل ہوئے۔ جس کا پانی مٹی کے رنگ کی وجہ سے سرخی مائل تھا، ہوا نام کو نہ تھی اس لئے ہر جہاز کے ساتھ کھینے کی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں، جیسا کہ قبل ازیں ملیبار کے پہلے سفر کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور وہ جہاز کو کھینچ کر آگے بڑھاتی تھیں کشتی کھینے والوں کی دو جماعتیں مقرر تھیں اور وہ باری باری سے گاتے

ہوئے اپنا کام کرتے تھے۔ خوش قسمتی سے یہ سفر ۳۴ دن میں طے ہوا ورنہ عموماً ۴۰ تا ۵۰ دن صرف ہوا کرتے تھے۔ اب وہ قوم طوالسی کی سرزمین کو پہنچے۔ یہ قوم ترکی نسل سے تھی۔ ملک بڑا وسیع تھا، یہاں کا بادشاہ اپنے آپ کو چین کے بادشاہ کا مد مقابل سمجھتا، اور اس سے جنگ کرکے اپنے شرائط منوانا تھا۔ ابن بطوطہ کا جہاز کیلوکاری کی بندرگاہ میں پہنچا۔ اس وقت وہاں بادشاہ کی ایک بہادر لڑکی اردو جا نامی حکمران مقرر ہوئی تھی، جنگ میں مشاق اور گھوڑے پر سوار ہوکر بڑے بڑے سورماؤں کو شکست دیتی تھی۔ شہزادی نے جہاز کے کپتان، محاسب سوداگروں اور ناخدا کو بلاکر اپنی فوج کے افسروں کے ساتھ ضیافت میں شریک کیا۔ ابن بطوطہ نے جانا مناسب نہیں سمجھا جب یہ معلوم ہوا کہ جہاز کا قاضی (جس کو وہاں بخشی کا لقب دیا جاتا تھا) یعنی ابن بطوطہ نہیں آیا تو اس کو بطور خاص طلب کیا گیا، اس نے شہزادی سے ترکی زبان میں گفتگو کی جو وہاں کی بولی تھی۔ ہندوستان کے حالات دریافت کئے وہاں دو مصالح کا ملک مشہور تھا، جواب سن کر کہا۔ " میں چاہتی ہوں کہ اس ملک پر فوج کشی کروں اور اس کو فتح کرلوں، ابن بطوطہ نے کہا بہت اچھا، اس کے بعد ابن بطوطہ کے لئے ملبوسات دو ہاتھیوں پر لاد کر چاول دو بھینسیں دس بکرے دو سیر شربت اور چار مرتبان سمندر کے سفر میں کھانے کی چیزوں سے بھرے ہوئے (یعنی ادرک، فلفل، لیمو اور آم غالباً اچار کی شکل میں) بھجوائے گئے۔ کپتان نے کہا کہ شہزادی کی فوج میں عورتیں مردوں

کی طرح لازم اور جنگ کرتی تھیں۔ اس کے فن سپہ گری کی بڑی تعریف کی۔

[اس بیان کو تنقید کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ابن بطوطہ نے حافظہ کی غلطی سے مسافروں سے ترکمانوں کے ملک کا قصہ سن کر یہاں من وعن بیان کر دیا۔ (قارئین کو یاد ہوگا کہ سلطان اوزبک کی چوتھی بیوی کا نام بھی اردو جا بتایا گیا ہے) یا یہ کہ مؤلف کتاب ابن جوزی نے غلطی سے ترکستان کے مراحل کے کچھ حالات یہاں قلم بند کر دیئے ہیں۔ سیاح طوالسی کی سرزمین سے نکل کر سترہ دن سرعت کے ساتھ بحری سفر کر کے چین پہنچے۔

باب (۱۲)

چین کا ملک نہایت وسیع ہے۔ اس میں خوب، کاشت ہوتی ہے۔
اناج، میوہ، سونا، چاندی بافراط پیدا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے
ابن بطوطہ کہتا ہے، کہ دنیا کا کوئی ملک چین کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس
میں سے ایک دریا بہتا ہے، جو وہاں کی زبان میں نہر الحیات
کہلاتا ہے۔ شہر خان بالق، پیکن، کے قریب جن پہاڑوں سے
نکلتا ہے۔ جبال القرد (بندروں کے پہاڑ) کہلاتے تھے۔
یہ دریا چین کے وسط میں سے چھ مہینے کے سفر کا راستہ طے کرتا
ہے۔ اور یہ آخر میں الصین گئی کینٹن (CANTON) پہنچتا ہے
(زمانہ مابعد کی تحقیق سے چین کے جغرافی و تاریخی حالات و واقعات
جو دریافت ہوسکے ان کے مقابلہ میں ابن بطوطہ کا یہ بیان مشتبہ اور ناقص
ضرور محسوس ہوتا ہے لیکن اس وقت جو کچھ اطلاعات مل سکتی تھیں،
انہیں وہ قلم بند کرسکتا تھا، نہر الحیات کے پہلے حصہ سے مراد
نہر الکبیر (گرینڈ کنال) ہے پیکن (PEKING) اور یانگ تسی
(YONG TSI) کے درمیان محض ساحلی رقبوں سے واقف تجار کو چین کے
اندرونی نظام الانہار کا بہت محدود علم تھا، ہانگ چو (HANG CHOW)
اور یانگ تسی کو نہر مغرب او کینٹن سے غالباً از راہ سیانگ کیانگ
(SIANG-KIANG —) ملاتا تھا، اور اس لئے پے کیانگ (PAI-KIANG)

کے بڈی منصب کو چین کے مجموعی نظام الانہار کا منصب سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ابن بطوطہ کے اس بیان کی توجیہہ بہت مشکل ہے، کہ زیتون تری آبی راستوں کے ذریعہ کینٹن اور نیز ہانگ چو سے ملحق تھا) نہر الحیات کے دونوں بازو آباد گاؤں، شاداب مزارع میوے کے باغات اور بازار تھے۔ ایسے ہی جیسے کہ مصر میں دریائے نیل کے بازو، بلکہ اس سے بھی زیادہ گنجان آباد اور زیر کاشت آبپاشی کے پہئے کے چرخ بھی بہت تھے، چین میں نیشکر کثرت سے ہوتا تھا۔ مصر کے نیشکر سے بہتر، بیہ اور انگور بھی بہت اچھے اور بکثرت ہوتے تھے، خربزہ خوارزم وخراسان کے خربزہ کی برابر، بلاد مغرب کے تمام میوے وہاں موجود تھے یا تو ویسے ہی اچھے یا ان سے بہتر گیہوں مسور اور بڑالے بھی نہایت عمدہ اور بافراط تھے۔

ظروف، چینی، زیتون اور چین کلاں (صین الصین یا مہا چین) میں بنتے تھے، یہ پہاڑ کی مٹی کو جلا کر بنائے جاتے تھے، (یہاں ابن بطوطہ کو دھوکہ ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پتھر کا کوئلہ جو چین میں عموماً بطور ایندھن استعمال ہوتا تھا اور شائد اسی کی آگ میں چینی مٹی کے پتھر جلائے جاتے تھے خود چینی مٹی کا پتھر ہے) چینی مٹی کے پتھروں کو آگ میں جلا کر پانی میں ڈال دیا جاتا تھا، جب نرم ہو کر کیچڑ بن جاتا تو اس کے ظروف تیار کیے جاتے تھے، بہترین ظروف ایسی مٹی سے بنائے جاتے تھے جو ایک مہینہ تک پانی میں سڑتی تھی، معمولی برتنوں کی مٹی صرف دس دن

بھگوئی جاتی تھی۔ چین میں یہ ظروف اتنے ہی ارزاں تھے جیسے دیگر ممالک میں معمولی مٹی کے برتن، ان کی قیمت چین کے باہر تھی، ہندوستان۔ بلادِ مغرب حتیٰ کہ مراکش تک فروخت کے لئے بھیجے جاتے تھے۔

وہ کہتا ہے کہ چین کے مرغ بطخ سے بڑے ہوتے تھے، ایسا ہی ان کے انڈے بھی۔ مگر بطخ بڑے نہیں تھے، مرغا شتر مرغ کی برابر تھا، (لیکن یہ مبالغہ تھا) بعض اوقات اس کے تمام پر گر پڑتے تھے، اور نئے پر نکلنے تک گوشت کا لوتھڑا ہی نظر آتا تھا، چین کے لوگ کافر تھے، ہندوؤں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے، اور اپنے مردوں کو آگ میں جلا دیتے تھے، (سلیمان تاجر جو اس سے بہت پہلے چین گیا تھا، کہتا ہے کہ مردہ دفن کیا جاتا تھا، جیسا کہ اس وقت بھی کیا جاتا ہے، لیکن مارکوپولو جلانے کی رسم کا ذکر کرتا ہے، ممکن ہے کہ یہ طریقہ اس زمانہ میں رائج ہوا ہو، اس وقت چین کا بادشاہ چنگیز خاں کی نسل سے تاتار تھا، چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک علیحدہ محلہ ہوا کرتا تھا، مسجدیں ہوتی تھیں جن میں نماز جمعہ پڑھی جاتی اور مذہبی تقاریب منائے جاتے تھے، مسلمان عموماً عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، چین کے کافر سور اور کتے کا گوشت کھاتے تھے، اور یہ گوشت بازاروں میں بکتا تھا، چینیوں کے پاس دولت بہت تھی، لیکن ان کی زندگی کا طریقہ بہت سادہ تھا، شان و شوکت کی نمائش نہ تھی۔ ان کے بعض تاجر اتنے متمول تھے کہ ان کی دولت کا شمار نہیں ہو سکتا تھا، لیکن وہ بھی روئی کا موٹا کپڑا پہن کر پھرتے تھے،

ان کے پاس سونے چاندی کے برتن بہت تھے۔ چھوٹے بڑے بوڑھے اور جوان لکڑی کے سہارے چلتے تھے جس کو وہ اپنا تیسرا پاؤں کہتے تھے۔ ریشم کی افراط تھی۔ ریشم کا کیڑا (دودۃ القزیا دودۃ الحریر) جھاڑ کے پتوں اور میووں پر خود بخود پرورش پاتا تھا، اس کے لئے کسی کے دیکھ بھال کی ضرورت نہ تھی، اس لئے چین میں ریشم اتنا عام تھا کہ غریب سے غریب بھی اسے پہنتا تھا، ملک کے باہر اس کی قیمت تھی، خود چین میں روئی یا سوت کا کپڑا ریشم کے کپڑے سے کئی گنا مہنگا ملتا تھا۔ چین کے تاجر اپنا سونا اور چاندی گلا کر ۵۰ سیر یا اس سے زیادہ وزن کے ڈبے بنا کر رکھتے تھے۔

اُن کے ملک میں خرید و فروخت کے لئے نہ تو سونے کا دینار مروّج تھا اور نہ چاندی کا درہم، بیوپار کا ذریعہ سکۂ قرطاس ہی تھا۔ جو ہتھیلی کے برابر چوڑا کاغذ تھا اور اس پر بادشاہ کی مہر ثبت تھی، ایسے ۲۵ کاغذ ایک بالشت کہلاتے تھے، اور قیمت میں ایک دینار کے مساوی سمجھے جاتے تھے، کاغذ میلا ہوتا یا پھٹ جاتا تو بلاد مغرب کے دارالضرب کے مماثل ایک دفتر میں واپس کئے جانے پر اسی قیمت کا دوسرا کاغذ مفت دیا جاتا تھا، لفظ بالشت خطائی کے ترکوں کی زبان سے مستعار کیا گیا تھا، جنھوں نے چین میں ایک حکمران خاندان لیاؤ (۹۰۷ھ) نامی قائم کیا تھا، یہ خاندان بیکن میں دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں حکمراں تھا، بالشت ترکستان

میں تیرھویں صدی کے آغاز میں بطور سکہ رائج تھا اور ۱/۲ پونڈ وزن
کا فلزی ڈلا تھا، لفظ چین یا سین غالباً تسین (TSIN) حکمران
خاندان سے منسوب ہے، جو ۲۵۵ء سے ۲۰۹ء تک قبل مسیح فائز
تھا) مارکو پولو کہتا ہے کہ نیا سکہ قرطاس حکومت کی جانب سے ۳ فیصدی
قیمت وضع کرکے دیا جاتا تھا) اس دفتر کا صدر ملک کے امراء میں
سے بڑا امیر ہی مقرر ہوتا تھا، بالشت کے سوائے نہ تو سونے
کے کسی سکہ سے بازار میں کوئی چیز خریدی جاسکتی تھی نہ چاندی
کے سکہ سے۔

ابن بطوطہ پتھر کے کوئلہ کا ذکر کرتا ہے جو چین میں بجائے لکڑی
کے کوئلے کے مستعمل تھا، اس کو پھوڑ کر معمولی کوئلے کے سے چھوٹے ٹکڑے
کیے جاتے تھے، ہاتھیوں پر لاد کر یہ ٹکڑے ایک جگہ سے دوسری
جگہ منتقل کیے جاتے تھے، چین کے باشندے دستکاری اور صنعت
میں دوسرے اقوام سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے. علی الخصوص
تصویرکشی میں، یونانی بھی ان سے پیچھے تھے، خود ابن بطوطہ کو اس کا
کئی مرتبہ ذاتی تجربہ ہوا۔ چین کے جس کسی شہر میں اس کا اور
اس کے ساتھیوں کا گذر ہوا وہاں کے بازاروں میں ان سبھوں کی
تصویریں کاغذوں یا دیواروں پر کھینچ کر عوام کے مطالعہ کے
لئے پیش کی جاتی تھیں، جب وہ اپنے ساتھیوں کی ہمراہ بادشاہ
چین کے پایہ تخت میں شاہی محل کو عراقی لباس پہن کر جارہا تھا

تو بادشاہ کے حکم سے ان بھوں کی تصویریں ان کے بغیر علم مصوروں نے چپکے سے کھینچ لیں اور بازار میں ٹنکا دیں بوقت واپسی انھوں نے ان تصویروں کو دیکھ کر پہچان لیا، غور کرنے پر بھی اصل سے ذرا بھی مختلف نہ پایا۔ ہر مسافر کی شبیہہ اسی طرح، دوران قیام چین تیار کرائی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص جرم کرکے چین سے بھاگ جاتا تو اس کی تصویر کے ذریعہ اس کا پتہ چلایا جاتا اور وہ پکڑ منگایا جاتا،

اگر کوئی مسلمان سوداگر چین کے کسی شہر میں جاتا تو یا تو وہاں کے کسی مقیم مسلمان کے ہاں ٹھہر سکتا یا سرکاری مسافرخانہ میں اسکے لئے رہنے کھانے پینے کی تمام ضروریات مہیا کردی جاتیں، اور اس کے مال واسباب کا پورا پورا حساب رکھا جاتا، اوران کی حفاظت کی جاتی، اگر کوئی مسافر دورانِ قیام وہاں کی کسی عورت کو بطور جاریہ اپنے ساتھ رکھنا چاہتا، تو اس کا بھی فوری انتظام کیا جاتا تھا، لونڈیاں بہت سستی تھیں، چین کے باشندوں میں بچوں کو بطور کنیزک یا غلام بیچنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، اگر مسافر کے ساتھ اس کی واپسی کے وقت کنیزک جانا نہیں چاہتی تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا اور اگر وہ جانا چاہتی تو اس کو کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا، البتہ عیاشی اور زناکاری ممنوع تھی، سفر کے لئے چین بہت محفوظ ملک تھا، لوگ مہینوں اس میں بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی اشیاء لے کر سفر کر سکتے تھے، کوئی ان کو لوٹ نہیں

سکتا تھا، حکومت نے اپنے مقامی عہدہ داروں کو اس امر کا ذمہ دار گردانا تھا کہ کسی مسافر کا مال چوری نہ جائے۔

ابن بطوطہ سب سے پہلے جس شہر میں داخل ہوا وہ زیتون تھا جس کو چینی زبان میں تسوان چو فو (T'SWAN - CHOW - FU) کہتے تھے اس کا ریشمی کپڑا (جو شہر کی مناسبت سے زیتونی اور بالآخر یورپ کی زبانوں میں ساٹن (SATIN) کے نام سے مشہور ہوا۔ خنسا اور خان بالق کے کپڑوں سے بھی بہتر تھا۔ شہر زیتون بہت بڑا اور اس کی بندرگاہ تمام دنیا کی بندرگاہوں میں سب سے بڑی تھی۔ ابن بطوطہ نے وہاں ایک سو بڑے چینی جہاز (JUNK) دیکھے چھوٹے جہاز شمار سے باہر تھے۔ سمندر کا پانی دریا کے دہانے میں گھسنے سے بندرگاہ بہت وسیع ہو گئی تھی۔ چین کے ہر شہر میں ہر شخص کے مکان کے ساتھ اس کا باغ اور کھیت بھی ایک ہی جگہ ہوتا تھا جیسا کہ مراکش کے سجلماسہ میں تھا، اس لئے چین کے شہر بہت وسیع ہوتے تھے۔ مسلمانوں کا محلہ بالکل علیحدہ تھا۔

جس روز وہ شہر زیتون میں پہنچا وہاں اس نے اس چینی امیر کو دیکھا جو سلطان ہند کے پاس بطور سفیر آیا تھا، اور جس کا جہاز بعد کو ابن بطوطہ اور اس کے ہمراہ چین کو تحائف سلطانی لے جانے والے وفد کے جہاز کے ساتھ طوفان میں تباہ ہو گیا، امیر نے اس کو پہچان کر سلام کیا، اور بندرگاہ کے حاکم (صاحب دیوان) سے اس کا تعارف

کرایا اور اس کے وہاں ٹھہرنے کا مناسب انتظام کروایا، مسلمانوں کا قاضی شیخ الاسلام اور سربرآوردہ سوداگر اس سے ملنے آئے ان کے منجملہ شرف الدین تبریزی تھا جس سے ابن بطوطہ نے ہندوستان میں داخل ہوتے وقت روپیہ قرض لیا تھا اور جس نے اس کے ساتھ اس وقت بہت اچھا سلوک کیا تھا، وہ حافظ قرآن تھا، اور ہمیشہ اپنی قرأت سے مسلمانوں کو مستفیض کرتا تھا، جب کبھی کوئی مسلمان مسافر ایسے دور دراز مقام پر چلا آتا وہاں کے مسلم تجار انتہا درجہ مسرور ہوتے اور باتباع ہدایت قرآنی اپنی زکوۃ کی رقم اس کو دیتے اور اس کو دولتمند بنا دیتے، اس وقت شہر زیتون میں منجملہ دیگر شیوخ کے شیخ برہان الدین گازرونی رہتے تھے۔ ان کی خانقاہ شہر کے باہر تھی۔ جیسا کہ ایک سابقہ باب میں ذکر کیا گیا شیخ ابواسحاق گازرونی کے نذرونیاز کی رقم جو سوداگر ادا کرتے تھے انہی کے سپرد کی جاتی تھی۔

صاحب دیوان نے خاقان چین کو ابن بطوطہ کے منجانب سلطان ہند آنے کی اطلاع دی۔ دربار میں طلبی ہونے تک اس نے درخواست کی کہ حکومت اس کو چین کلاں، مہا چین یا صین الصین) دکھانے کے لئے کسی کو اس کے ساتھ متعین کردے، یہ درخواست مقبول ہوئی اور وہ ایک چینی جہاز پر جس کے بادبان گھاس کے بنے ہوئے کپڑے کے تھے سوار ہوا، اور ندی اور نہروں کا ۲۷ دن سفر کیا۔

(ابن بطوطہ کے اس دریائی سفر از سوآن چو تا کینٹن کی صحیح تفصیل کا پتہ چلانا بہت مشکل ہے، یول (YULE) کا خیال ہے کہ یہ سفر دریا مین (MIN) پر فوچاؤ (FOOCHOW) سے شروع ہوا۔ اور کان (KAN) پر سے ہوتا ہوا رہگذر مئے لنگ (MEI-LING PASS) سے پے کیانگ (PEI-KIANG) پر ختم ہوا، اگر حقیقت حال یہی ہے تو بڑے چکر پھیر کے راستے سے ہوا، گب (GIBB) کا خیال ہے کہ مئے (MEI) اور تنگ (TUNG) ندیوں کے راستہ سے (بشرطیکہ ان پر جہاز رانی ممکن تھی) سفر بہت جلد ہی طے ہو سکتا ہے) ہر روز دوپہر کو جہاز کسی گاؤں کے پاس دریا کے کنارے باندھ دیا جاتا۔ ضروری سامان خرید کر نماز ظہر پڑھنے کے بعد سیاح پھر جہاز پر سوار ہو جاتے اور اپنا سفر جاری رکھتے، شام کو ایک دوسرے گاؤں کے پاس ٹھہرتے۔ اس طرح وہ چین کلاں یا سین اکسین کو پہنچے، یہاں بھی ظروف چینی بنتے ہیں اور اس شہر کے قریب نہر الحیات کا پانی سمندر میں گرتا ہے، اس لئے اس کو التقاء المائین کہتے تھے۔

وسعت اور بازاروں کی خوبی کے لحاظ سے یہ شہر صف اوّل میں شمار ہوتا تھا، اس کا چینی مٹی کے برتنوں کا بازار بہت ہی بڑا تھا، یہیں سے ظروف چین کے دوسرے شہروں، ہند اور یمن کو بھیجے جاتے تھے، وسط شہر میں ایک عالی شان مندر تھا جس کے نو پھاٹک تھے۔ ہر پھاٹک کے اندر ایک منار یا کشادہ صحن تھا جس کے

تختوں پر مندر کے اہالی بیٹھتے تھے ، دوسرے اور تیسرے پھاٹک
کے بیچ میں جو کمرے تھے ان میں اندھے اور دوسرے معذور رہتے
تھے ۔ ان سبھوں کو حکومت کی طرف سے کھانا کپڑا ملتا تھا ۔ اندر
ایک بیمارستان بھی تھا ، بوڑھوں یتیموں اور بیواؤں کی امداد
کا بھی یہاں انتظام تھا ، سابق کے ایک بادشاہ نے یہ مندر بنایا
تھا اور اس کے لئے گاؤں اور جائدادیں وقف کردی تھیں ، وہاں
اس بادشاہ کی شبیہہ بھی بنائی گئی تھی جس کو لوگ پوجتے تھے اصب
رائے یول یہ مندر کنیسۂ جاہ و جلال و فرائض الاطفال تھا جو
حالیہ شہر کنیٹن (CANTON) کے شمال شہر کے ایک حصہ میں
مسلمانوں کا ایک محلہ تھا ، جہاں ان کی جامع مسجد ، مسافرخانہ اور
بازارات تھے ، جیسا کہ ہر شہر میں ہوا کرتا تھا ، یہاں بھی ان کا ایک
قاضی اور شیخ الاسلام رہتا تھا ، قاضی مسلمانوں کے عدالتی مقدمات
کا فیصلہ کرتا تھا ، اور شیخ الاسلام ملت اسلامیہ اور چین حکومت
کے مابین ربط قائم رکھتا تھا ، ابن بطوطہ اوحد الدین سنجاری کے
مکان میں چودہ دن ٹھہرا ، بہترین اخلاق کا انتہائی دولتمند شخص تھا ،
تجار کی طرف سے ابن بطوطہ کی روزانہ ضیافت کی جاتی تھی ۔ اور
بیش قیمت تحائف دیئے جاتے تھے ، لوگ خوشنما اور آراستہ کشتیوں
میں گانے والوں کو ساتھ لئے ہوئے آتے تھے ، کہتا ہے سین کلاں
کے آگے کوئی شہر کفار یا مسلمانوں کا نہیں تھا ، مشہور

تھا کہ سدِ یاجوج و ماجوج وہاں سے ساٹھ دن کا سفر تھا، راستہ میں آدم خور انسان رہتے تھے اس لئے کوئی شخص اس مقام تک جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا کسی نے اس کو نہ تو دیکھا اور نہ دیکھے ہوئے سے ملاقات کی (مارکوپولو بھی فوکی این (FUKIEN) اور کیانگ سی یا تشے کیانگ کے درمیانی پہاڑوں میں ایک آدم خور قوم کا ذکر کرتا ہے ابن بطوطہ کو چین کی گریٹ وال (GREATWALL) کا شائد علم ہوگا۔ مگر ممکن ہے اس کو یہ نہ معلوم ہو کہ دیوار سارے ملک کو گھیرے ہوئے تھی۔ مارکوپولو نے اس دیوار کا کہیں ذکر نہیں کیا)۔

شہر زیتون کو واپس جانے کے بعد خاقانِ چین کے دربار میں اسکی طلبی ہوئی۔ بڑے اعزاز کے ساتھ بطور ایک سرکاری مہمان کے اس کو ایک ایسی کشتی میں بٹھایا گیا جو گورنروں کے سفر کے لئے مخصوص تھی، حکومت اور دوستوں کی طرف سے بہت سامان خورد نوش اس کے ساتھ کر دیا گیا۔ دس دن کے سفر کے بعد شہر قنجنفو پہنچا، جو اس وقت ملک کا پایۂ تخت تھا، بہت بڑا اور خوش منظر شہر ایک میدان میں واقع تھا، اس کے اطراف میوے کے باغ تھے، جن کی وجہ سے غوطۂ دمشق کا شبہہ ہوتا تھا (یول کا قیاس ہے کہ قنجنفو فوہو (FU-HO) ندی پر صوبہ کیانگ سی (KIANG-SI) میں شہر کی این جانگ فو (KIEN-CHAG-FU) ہے، بعد کو یوام فنلو نام کے ایک دوسرے مقام کا جو ذکر آیا ہے وہ بحیرہ پو یانگ (PO-YANG-SEA) ہے۔ اس

صورت میں سفر بڑے چکر پھیر کے راستہ سے ہوگا، ایسے کسی مشہور تجارتی راستہ کا پتہ نہیں چلتا۔" گب " کی رائے ہے کہ چونکہ ابن بطوطہ کو ہانگ چو جانے میں ۳۱ دن سفر کرنا پڑا اور اس کے مخالف سمت میں مارکوپولو نے یہی سفر ۲۷ دن میں طے کیا، اس لئے غالباً ان دونوں سفروں کا راستہ ایک ہی تھا، پس قنجنفو سے مراد خود فوچو (FU - CHOW) ہے۔ اس لئے صائب رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان تاجر شہر فوچو کو قنجنفو کہتے تھے، ایسا ہی جیسا کہ تسوان چو کو زیتون)

شہر کے ہر قاضی، شیخ الاسلام، اور مسلم تجار نے اس کا استقبال کیا۔حاکم شہر بھی بعد کو آپہنچا اور اس کو لے کر شہر کے اندر داخل ہوا کہتا ہے اس کی چار فصیلیں تھیں، ایک فصیل کے گرداگرد دوسری۔پہلی اور دوسری فصیل کے بیچ میں خاقان کے غلام اور محافظ رہتے تھے۔دوسری اور تیسری کے درمیان فوج کا جنرل جو شہر کا گورنر بھی تھا سوار فوج کے ساتھ رہتا تھا۔ تیسری فصیل مسلمانوں کے مکانات کو گھیرے ہوئے تھی۔اور چوتھی فصیل خاص چینی محلہ کے گرد قائم تھی۔یہ محلہ سب سے بڑا تھا، دوران قیام قنجنفو ایک روز ایک بہت بڑا جہاز وہاں آیا۔اس کا مالک ایک بہت ہی ممتاز اور قابل احترام فقیہ مانا جاتا تھا، اس نے ابن بطوطہ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اس کا نام مولانا قوام الدین سبتی تھا، ابن بطوطہ نے جب اس کو بغور دیکھا تو پہچان لیا کہ وہ البشری تھا جس کی اس سے دہلی میں ملا

ہوئی تھی اس وقت وہ بہت ہی کم عمر مگر بڑا ہی ذہین طالب علم تھا۔ اپنے ماموں ابوالقاسم ساکن مرسیہ کے ساتھ ہندوستان آیا ہوا تھا۔ سلطان نے اس کو تین ہزار دینار دے کر دربار میں رہنے کو کہا لیکن اس نے انکار کیا اور چین آکر تجارت کرلی جس کے ذریعہ خوب دولت کمائی۔ ابن بطوطہ مراکش کے شہر طنجہ کا باشندہ تھا۔ تعجب کا مقام ہے کہ ان دونوں کی ملاقات پہلے دلی میں ہوئی۔ پھر قنجنفو میں اس لئے بڑی محبت سے ایک دوسرے کے بغلگیر ہوئے۔ اس زمانہ کے مسلمانوں کی اولوالعزمی کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ البشری کے بھائی سے ابن بطوطہ نے بعد کو مغربی افریقہ کے وسط میں (بمقام سجلماسہ) ملاقات کی۔

قنجنفو میں ۱۵ دن ٹھہر کر ابن بطوطہ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ چین کا ملک باوجود اس کی ہر قسم کی خوش گواری کے کفر کے پنجہ میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ابن بطوطہ کے پسند خاطر نہ آیا۔ وہ وہاں صرف مسلمان عارضی مقیموں ہی سے ملتا رہا۔ البشری کے الطاف ایسے کریمانہ تھے کہ ابن بطوطہ شہر سے روانہ ہوتے وقت وہ چار دن کی راہ تک اس کے ساتھ بوام قتلو کے چھوٹے شہر تک اس کو پہنچانے آیا جہاں چینی فوج مقیم تھی۔ (ممکن ہے بوام قتلو دراصل "بیان قتلغ" کسی تاتار سردار کا نام ہو جو فوج کے ساتھ اس مقام پر متعین تھا) کہتا ہے یہاں صرف چار مسلمان گھر تھے، جن میں البشری کے کارپرداز رہتے تھے ایک مکان میں ابن بطوطہ تین دن مہمان رہا۔ اس کے بعد البشری نے

اس کو خدا حافظ کہا۔ اس طرح دریا پر سفر کرتا ہوا ابن بطوطہ شہر خنسا یعنی
ہانگ چو رز (HONG-CHOW) پہنچا جس کو وہ دنیا کے تمام شہروں میں
جو اس نے دیکھے سب سے بڑا تصور کرتا ہے۔ اور سیاحوں نے بھی اسی
رائے سے اتفاق کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس شہر کے آر پار جانے کے لئے
تین دن کا سفر کرنا پڑتا تھا، اس کے استقبال کے لئے قاضی شہر و شیخ الاسلام
معہ ارکان خاندان عثمان بن عفان مصری ایک بڑے جھنڈے کے ساتھ
باجے بجاتے ہوئے آئے حاکم شہر بھی اپنے ساتھ کے عہدہ داروں کو لئے ہوئے
ملنے آیا۔ خنسا کے چھ حصے تھے۔ ایک میں شہر کی محافظ فوج یا پولس (کوئی بارہ
ہزار آدمی) معہ سردار کے رہتی تھی، ابن بطوطہ سردار فوج کے پاس پہلی
رات مہمان رہا۔ دوسرے روز شہر کے دوسرے حصہ میں یہودیوں کے دروازے
سے داخل ہوا۔ اس میں یہودی، عیسائی، اور آفتاب پرست ٹرک رہتے
تھے، اس حصہ کا حاکم بھی چینی ہی تھا۔ ابن بطوطہ ایک رات اس کا مہمان رہا
تیسرے دن شہر کے اس حصہ میں پہنچا، جہاں مسلمان آباد تھے۔ یہ حصہ
بہت پاکیزہ اسلامی شہروں کے انداز پر بنایا گیا تھا۔ اس میں مسجدیں
تھیں، موذن اذان دیا کرتے تھے۔ عثمان بن عفان مصری کے خاندان
والے یہاں مقیم تھے، عثمان بڑا دولت مند تھا، اور اس کو اس شہر
سے بڑی انسیت تھی، یہیں رہ گیا، اس کے بعد اس حصہ شہر کا نام
عثمانیہ مشہور ہو گیا، عثمان کے اوقاف سے مسجد کی امداد اور دوسرے
بڑے رفاہی کام جاری تھے۔ یہاں مسلمان بڑی تعداد میں رہتے تھے

خنسا کی جامع مسجد بھی عثمانؔ ہی کی بنائی ہوئی تھی، ابن بطوطہ پندرہ دن مسلمانوں کا مہمان رہا سبھوں نے بڑی محبت سے اس کی نہایت پرتکلف دعوت کی۔ ہر روز ایک نئی ضیافت تھی۔ ایک روز ابن بطوطہ اپنے میزبانوں کے ساتھ شہر کے چوتھے حصے میں داخل ہوا جو دارالحکومت تھا، یہاں صدر حاکم قرطائی (QURTAY) کی قیام گاہ تھی، جب دروازے میں سے گذرے تو ابن بطوطہ سے اس کے ساتھی چھوٹ گئے۔ ایسی حالت میں وزیر نے اس کو جلال الدین شیرازی کا پوستین قبا پہنے دیکھا اور اپنے پاس بلایا، الغرض یہی وہ تمام واقعات پیش آئے جو پوستین کے اس سے لے لئے جانے کے متعلق قبل ازیں بیان ہو چکے ہیں۔ شہر کے اس حصہ میں جو سب سے خوبصورت ہے۔ سوائے خاقانؔ کے ملازمانِ خاص و غلامان کے کوئی نہیں رہتا تھا، اس میں تین نہریں بہتی ہیں، ایک وہ جو دریا سے نکالی گئی ہے، اس نہر پر سے شہر کے لئے پتھر کا کوئلہ اور سامانِ خورد و نوش لایا جاتا تھا، یہ حصہ نہایت وسیع تھا اس کے بیچ میں اور دراصل جنوبی حصہ میں "قرطائی" یعنی وائسرائے کا محل تھا، اس کے اندر چھتہ بازار تھے، جن میں بیٹھ کر صناع کپڑا بنتے۔ اور ہتھیار بناتے تھے۔ قرطائی نے کہا کہ ۱۶۰۰ سو بہترین کاریگر یہاں کام کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ تین چار شاگرد تھے۔ یہ لوگ پابہ زنجیر تھے شہر کے اندر گھوم سکتے تھے لیکن باہر نہیں جا سکتے تھے۔ دس سال کی خدمت کے بعد انہیں شہر سے باہر جانے کی اجازت

تھی، لیکن خاقان کا ملک چھوڑ کر نہیں جا سکتے تھے پچاس سال کی عمر کے
بعد انہیں نوکری کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی، ان کی پرورش حکومت
خود اپنے ذمہ لے لیتی تھی، اسی طرح دوسرے بوڑھوں کے ساتھ بھی رعایت
کی جاتی تھی۔ ساٹھ سال کی عمر کے بعد چین کا آدمی قانونی ذمہ داریوں
سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ مُسن آدمیوں کی بڑی عزت کی جاتی تھی، چونکہ
یہ دور تاتاری حکومت کا تھا اس لئے ان کو اتا یعنی باپ کے لقب سے
مخاطب کیا جاتا تھا، اس وقت چین کا سب بڑا امیر قرطائی کہلاتا تھا
جو ترکی زبان میں سپہ سالار کا لقب تھا، لفظ دراصل قراطائی تھا،
باوجود اتنے بڑے درجہ پہ فائز ہونے کے اس نے ابن بطوطہ کی ضیافت
کے وقت اپنے ہاتھ سے اس کے سامنے رکابیاں رکھیں اور کھانا پیش کیا۔
مسلمانوں کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے حلال جانوروں کا گوشت پکوایا
گیا۔ تین دن کی مہمانی کے بعد ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی، امیر کے
فرزند کی ہمراہی میں سیر کی خاطر ایک جہاز پر سوار کرائے گئے۔ اس
امیر زادہ کو فارسی زبان سے بہت انسیت تھی۔ وہ ایک علیحدہ کشتی پہ
سوار تھا۔ گانے والے چینی، عربی، فارسی زبانوں میں پڑھتے جاتے تھے
فارسی کے چار شعر امیر زادہ کو بہت پسند آئے ان کو بار بار دھرانے
کے لئے کہا لیکن افسوس ہے کہ ابن بطوطہ نے ان کو قواعد عروض سے
غیر منطبق طریقہ پر نقل کیا ہے ان کا مفہوم یہ ہے:

"جب تک ہم دنیا کے جھگڑوں میں مبتلا رہے فکر مند رہے

لیکن جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ان فکروں سے چھٹکارا نصیب ہوا۔

اس نہر (نہر کبیر) پر رنگین ریشمی کپڑوں کے پردوں سے آراستہ کئی جہاز تماش بینوں سے بھرے ہوئے تھے۔ مذاق کے طور پر ان کے آپس میں ایک مصنوعی جنگ ہوئی، جس میں بجائے تیر کے لیموں اور نارنگیوں سے ایک دوسرے پر حملہ کیا گیا، شام کو مہمان قرطائی کے محل کو واپس ہوئے۔ اس شب قرطائی نے اپنے محل کے کھلے صحن میں ان مہمانوں کے سامنے شعبدہ بازی کرائی، خاقان کے ایک غلام نے لکڑی کا ایک گولا جس کے سوراخوں میں سے چمڑے کی لمبی ڈوریاں لٹکتی تھیں، ہوا میں اوپر کی طرف پھینکا، اور گولا نظر سے غائب ہو گیا لیکن ایک ڈوری شعبدہ باز کے ہاتھ میں رہ گئی، پھر اس نے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ ڈوری پکڑ کر اوپر گولے تک چڑھ جائے، اس نے ایسا ہی کیا اور وہ بھی نظر سے غائب ہو گیا، پھر لڑکے (یعنی غائب شدہ شاگرد) کو تین مرتبہ پکار کر کہا واپس آجائے، جب وہ نہیں آیا تو خود غصہ کی صورت بنا کر ڈوری کے ذریعہ اوپر چڑھ گیا۔ اور نظر سے غائب ہو گیا، اس کے بعد لڑکے کا ایک ہاتھ پھر دوسرا ہاتھ، ایک پاؤں پھر دوسرا پاؤں، پھر اس کا دھڑ اور بالآخر سر کٹ کر زمین پر گر پڑے، کچھ دیر بعد شعبدہ باز خود نیچے اتر آیا، سانس پھولا ہوا اور کپڑے خون آلود تھے۔ امیر کے سامنے زمین کو بوسہ دے کر چینی زبان میں کچھ کہا، امیر نے حکم دیا،

اور اس نے لڑکے کے جسم کے ٹکڑے کو جوڑ کر ایک ٹھوکر ماری اور لڑکا بھلا چنگا اٹھ کھڑا ہوا، ابن بطوطہ کو مارے ہیبت اور حیرت کے اختلاج قلب ہونے لگا۔ قاضی فخر الدین اس کے بازو بیٹھے تھے انھوں نے اس سے کہا کہ یہ سب نظر کا دھوکہ تھا نہ تو کوئی شخص ہوا میں غائب ہوا، نہ لڑکے کے اعضا کاٹے گئے سب شعبدہ بازی تھی۔ اس کے دوسرے دن شہر کا پانچواں حصّہ دکھایا گیا جو سب سے بڑا اور جیبی عوام الناس کے لئے مخصوص تھا، سیاح یہاں ایک رات ٹھہر کر چھٹے اور آخری حصّے میں بلی ماران کے دروازے سے داخل ہوئے جس میں صرف ملّاح، ماہی گیر، نجّار، پیدل فوج کے ملازم اور تیرانداز ہی رہتے تھے، بالآخر امیر قرطالی نے ابن بطوطہ کو ایک جہاز پر سوار کرا کے چین کے اس آخری صوبہ کے شہر سے خطائے کی طرف روانہ کیا۔

خطائے کی سرزمین کاشت کے لئے بہترین ہے، اس کا ذرا سا چپہ بھی کھیت سے خالی نہیں، خنسا سے خان بالق (پیکن) تک ۶۴ دن کا راستہ تھا، دریا کے دونوں بازو باغات اور کھیت مسلسل نظر آئے یہاں سوائے چند مسافروں کے کوئی مستقل سکونت کا مسلمان نظر نہیں آیا ابن بطوطہ اس کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ اس خطۂ چین میں کوئی شہر نہ تھا صرف چھوٹے گاؤں اور کھیت ہی تھے۔ ایسا اس نے سوائے عراق کے (مابین عراق و عانہ) کہیں کسی اور جگہ نہیں دیکھا (مورخین و شارحین نے خطائے سے متعلق اس بیان کو خلافِ واقعہ ثابت کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ نے اس سرزمین کے متعلق صرف چند

لوگوں سے سنی ہوئی باتیں بیان کیں۔)

خان بالق سے دس میل پر جہاز ٹھہرا دیا گیا، امیر البحر کی اجازت ملنے پر سیاح شہر کی بندرگاہ میں داخل ہوسکے۔ شہر کو بہت وسیع بتا کر کہتا ہے کہ اس کے تعمیر کی طرز چین کی عام طرز سے جداگانہ تھی۔ یعنی شہر کے اندر مکانوں کے ساتھ باغات نہ تھے، بلکہ مثل دیگر ممالک کے شہر کے باہر تھے، یہاں ابن بطوطہ شیخ برہان الدین ساغرجی کے ہاں ٹھہرا (جس کا قبل ازیں ذکر آچکا ہے، کہ سلطان ہند سے ۴۰ ہزار دینار لے کر اپنے قرضے پھیرے۔ لیکن ہندوستان آنے کے لئے راضی نہ ہوا اور چین چلا گیا۔) خاقان نے اس کو صدر الجہان کا خطاب عطا کرکے چین کے تمام مسلمانوں کا صدر قرار دیا۔ خاقان چین کو لوگ بادشاہ بھی کہتے تھے، غیر مسلم ممالک میں اس سے بڑھ کر کسی فرماں روا کی حکومت اتنے وسیع رقبہ پر نہ تھی۔ شہر کے اندرونی حصہ میں اس کا محل تھا، جس کا بیشتر حصہ منقش و نگار کی ہوئی لکڑی کا بنا تھا۔

ابن بطوطہ کہتا ہے کہ جب وہ خان بالق پہنچا، تو خاقان اپنے ایک رشتہ کے بھائی (یا بھتیجے) فیروز سے لڑنے کے لئے خطائے میں قراقرم اور بیش بالغ کو گیا ہوا تھا، (اس وقت چین کا بادشاہ توگون تیمور (TOGON TIMUR) تھا جس نے ۱۳۳۳ء سے ۱۳۶۸ء تک بادشاہت کی۔ قراقرم منغول کا پہلا پایۂ تخت تھا۔ اب اس کے مقام پر ایردینی لشو (ERDANI-TSO) کا معبد یا مذہبی خانقاہ قائم ہے، یہ شہر اورخون ندی کے سیدھے

جانب آباد تھا، کوئی دو سو میل آرگا کے مغرب جنوب مغرب سمت میں اور بیرونی منگولیا میں ۲۰ میل قرا بلغمون کے جنوب مشرق ہشی بالق ریگزار میں اور روم توسی (URUMTUSI) کے مشرق کی طرف حالیہ غوشین (GUCHEN) پر یا اس کے قریب واقع تھا) خان بالق سے ان مقامات تک جانے کے لئے مزروعہ زمینات میں سے تین ماہ کا سفر درکار تھا، خاقان جب اس طرف چلا گیا تو اکثر امیر اس سے منحرف ہو گئے۔ اور اس کو تخت سے معزول کرنا چاہا۔ اس لئے کہ یہ فعل تاتار شاہی خاندان کے بانی چنگیز خاں کے نافذ کردہ قانون مندرجہ "لیساق" کے خلاف سمجھا گیا، اس کے باغی رشتہ دار سے جا ملے۔ اور خاقان کو لکھ بھیجا کہ وہ تخت چین سے دست بردار ہو جائے، اور صرف خنساہی کی ذیلی حکومت پر اکتفا کرے۔ اس نے انکار کیا تو جنگ کی گئی اور وہ شکست کھا کر مارا گیا۔

خاں بالق جانے کے تھوڑے ہی دن بعد یہ خبر شائع ہوئی۔ شہر آراستہ کیا گیا۔ ایک مہینے تک کھیل تماشے اور دعوتیں ہوتی رہیں۔ ہر طرف باجے بجتے تھے۔ مقتول خاقان اور اس کے قریبی سو رشتہ داروں کی لاشیں لائی گئیں۔ ایک بڑا ناؤس یعنی زمین کے نیچے تہ خانہ تیار کیا گیا، سونے چاندی اور دیگر قیمتی سامان و اسلحہ سے اس کو مہیا کر کے خاقان کی لاش کے ساتھ چار کنیزیں چھ سربرآوردہ مملوک قبر کے اندر بند کئے گئے اوپر سے اتنی مٹی ڈالی گئی کہ ایک بلند ٹیلہ بن گیا، پھر قبر پر چار گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ وہ تھک کر گر پڑے اس کے بعد لکڑی کا ایک ایک ڈنڈا ان گھوڑوں کی دم سے منھ تک داخل

کر کے گھوڑوں کو لکڑیوں سے لٹکا دیا۔ اس کے مقتول رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس کے مماثل درجہ کی مناسبت سے برتاؤ کیا گیا، دفن کے روز شہر کے تمام لوگ بلا استثنا، وہاں حاضر تھے۔ اور سب ماتمی لباس میں تھے۔ ابن بطوطہ کہتا ہے کہ یہ رسوم کسی اور ملک میں رائج نہ تھے۔ اِلّا مغربی افریقہ کے سیاہ فام اقوام کے ملک کے جب فیروز تخت پر بٹھایا گیا تو اس نے بجائے خان بالق کے قراقورم کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا، کیوں کہ اس کے رشتہ دار بادشاہان ترکستان و ماوراء النہر وہاں سے قریب تھے۔ بریں ہمہ وہ اُمراء جو مقتول خاندان کے قتل کے وقت موجود نہ تھے۔ فیروز سے منحرف ہو گئے اور بغاوت عام ہونے لگی۔

ابن بطوطہ کا یہ بیان تاتار بادشاہوں اور سرداروں کے تجہیز و تدفین کی حد تک بالکل صحیح ہے۔ لیکن خاقان چین کی تدفین کی نسبت بالکل مشتبہ ہے، فیروز نام کا خاقان کا اگر کوئی بھتیجا بغاوت کر کے اس کے تخت پر بیٹھ گیا تو ابن بطوطہ نے اصلی چینی یا تاتاری لفظ کے عوض حسب عادت مانوس اسلامی دنیا کا لفظ اس سے ملتا جلتا شاید استعمال کیا ہو۔ چین کی تاریخ میں تو فیروز نام کا کوئی بادشاہ نہیں گذرا، اگر چینی تحریرات صحیح ہیں تو ۱۳۱۷ء میں

ٹوگون تیمور کی وفات کے بعد تاتاری قانون کا پایۂ تخت قراقورم میں منتقل ہوا جو ابن بطوطہ کے چین سے چلے جانے کے بعد کا زمانہ ہے، بہرحال سفرنامہ کا یہ جزو چنداں معتبر نہیں معلوم ہوتا۔

باب (۱۴۳)

جب شمالی چین میں فتنہ و فساد نے زور پکڑا تو شیخ برہان الدین اور دیگر دوستوں نے ابن بطوطہ کو جنوبی حصہ میں چلے جانے کا مشورہ دیا، سلطان فیروز کے پاس معروضہ کر کے اس کے ساتھ جانے کے لئے تین عہدہ دار مقرر کرا دیئے اور احکام جاری کرا دیئے کہ اس کو سرکاری مہمان تصور کیا جائے۔ پس وہ ندی کی راہ سے "خنسا" پہنچا پھر "قنجنفور" اور بالآخر "زیتون" وہاں، ہندوستان جانے والے جہاز تیار تھے، ایک ملک الظاہر سلطان سوماطرا کا جہاز تھا، جس کے ملازم مسلمان تھے سلطان کا نمائندہ اس کو دیکھ کر پہنچانا اور خوشی سے اپنے ساتھ لے لیا، دس دن ہوا موافق رہی۔ لیکن طوالسی کی سرزمین کے قریب مخالف ہوا چلی اور جہاز کو سمندر کے ایک غیر معلوم حصہ میں اڑا لے گئی، بیالیس روز یہی لاعلمی رہی۔ دوسرے دن سمندر میں ایک پہاڑ نظر آیا جس کا کوئی وہم و گمان نہ تھا۔ لوگوں کو خوف ہوا، کہ اگر ہوا جہاز کو اس کی طرف لے چلی تو وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی گئی، جب ہوا کی شدت کم ہوئی اور آفتاب کی شعاعیں تیز ہوئیں، تو پہاڑ سمندر سے بلند ہوتا ہوا نظر آیا۔ اس سے لوگوں کو دھوکا ہوا کہ رُخ نام کا دیو ہیکل پرندہ شاید اڑ رہا ہو، پریشانی اور بڑھ گئی، لیکن جہاز کے چلنے کی سمت بدل

گئی اور جس نامعلوم چیز کا ڈر تھا وہ آنکھوں سے غائب ہو گئی، (گب کا خیال ہے کہ "شائد سراب تھا"، یہ بھی ممکن ہے کہ افق کے نیچے سے کوئی دھند ابر اٹھا ہو اور مسافروں کو پہلے پہاڑ پھر رخ کا دھوکہ ہوا ہو)

دو مہینے بعد جہاز شہر سوماترا سے جا لگا، سلطان ملک الظاہر ایک مہم سے واپس آیا ہوا تھا، ابن بطوطہ کو حسب سابق اپنے پاس مہمان رکھا دو کنیزیں اور دو چھوکرے اس کی خدمت کو بھیجے سلطان کے لڑکے کی اس کی چچا زاد بہن سے شادی منائی گئی، اور ابن بطوطہ اس تقریب میں شریک رہا، دو مہینے کے قیام کے بعد وہ "کولم" جانے والے جہاز پر سوار ہوا سلطان سے رخصت ہوتے وقت اس کو ایلوے کی لکڑی، کافور، لونگ، اور صندل کی لکڑی عطا ہوئی چالیس دن کے سفر کے بعد کولم" پہنچا، اور قاضی کے مکان کے قریب رمضان کے مہینے (جنوری ۱۳۴۷ء) میں اتر پڑا۔ عید کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھی، پھر کولم سے چل کر "کالیکٹ" گیا اور وہاں چند دن ٹھہرا رہا، چاہتا تھا کہ "دہلی" جائے، بعد غور کر کے ارادہ بدل دیا اور جہاز پر سوار ہو کر ۲۸ دن کے سفر کے بعد محرم ۷۴۸ھ مطابق آخر اپریل ۱۳۴۷ء میں "ظفاری" پہنچا۔ یہاں سے "مسقط" پہنچا جہاں قلب الماس نام کی مچھلی بہ کثرت ہوتی تھی۔ پھر "قریات" "شبا" "کلبہ" اور "قلہات" (جن کا قبل ازیں ذکر آ چکا ہے) ہوتا ہوا ہرمز میں داخل ہوا، متذکرہ بالا چار مقام ہرمز کے علاقہ میں شامل تھے۔ اگرچہ صوبہ عمان میں شمار ہوتے تھے۔ ہرمز میں تین رات ٹھہر کر خشکی کی راہ سے خورستان، لار، اور خنجو بال گیا، جن کا سابقہ ابواب میں بیان آ چکا ہے، پھر "کارزی" (KARZI) میں تین رات

ٹھہر کر کئی گاؤں میں سے ہوتا ہوا شیراز میں پہنچا، دکارزی، سکان، (MUND) (مینڈ) ندی کے سیدھے کنارے مشرقی موڑ سے کچھ اوپر کو واقع ہے)"شیراز" سے "اصفہان" گیا، پھر "تستر" (شوستر) ہوتا ہوا "بصرہ" آیا۔ وہاں کے مقبروں کی زیارت کی، اس کے بعد مشہد علیؓ (نجف) اور حلہ سے گذر کر شوال ۷۴۸ھ (مطابق جنوری ۱۳۴۸ء) بغداد آیا وہاں مراکش کے ایک شخص سے اطلاع ملی کہ اسپین کے عیسائیوں نے طریفہ پر مسلمانوں کو شکست دی۔ اور الخضرا (ALGECIRAS) فتح کر لیا، جس کا اس کو بڑا ملال رہا۔ (۱۳۴۰ء میں مراکش کا سلطان ابوالحسن فوج لے کر اسپین میں "قسطبلیہ" کے "الفونسو یازدہم" سے لڑنے آیا مگر ۳۰ اکتوبر کو طریفہ کے پاس بری طرح شکست کھائی؛ "الفونسو" نے ۱۳۴۴ء میں "الخضرا" (الجیراز) فتح کر لیا، اور جبل الطارق (GIBRALTAR) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر سنہ ۱۳۵۰ء میں طاعون کا شکار ہو گیا) اس زمانہ میں بغداد و عراق کا سلطان شیخ حسن مرحوم سلطان ابوسعید کا پھوپھی زاد بھائی تھا، جب ابوسعید مر گیا، تو اس نے عراق پر قبضہ کر لیا اور مرحوم کی بیوہ دلشاد سے عقد کیا۔ جو امیر چوپان کے بیٹے دمشق خواجہ کی لڑکی تھی، ٹھیک ایسا ہی جیسا کہ سلطان ابوسعید نے شیخ حسن کی بیوی سے عقد کیا تھا، سلطان حسن اس وقت تور کے حاکم سلطان اتابک افراسیاب سے جنگ کرتے گیا ہوا تھا۔

بغداد سے ابن بطوطہ انبار، ہیت، حدیثہ اور عنا گیا، رہیت اور عنا دریائے فرات کے کنارے بغداد کے شمال مغرب میں اب بھی موجود ہیں، شہر حدیثہ پہلے عراق کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا، نہر عیسیٰ کے سرے

پر (جو فرات کو دجلہ سے ملانے والی پہلی نہر جہاز رانی کے قابل ہے) عنا
اور انبار سے ۳۵ میل نیچے کی طرف واقع ہے، رحبیٹ کا علاقہ پہلے میوہ کی کاشت
اور گنجان آبادی کے لئے بطور خاص مشہور تھا، اگر چین کے بڑے دریا کے
بازوؤں کی سی شاداب وقابل کاشت زمین کسی اور ملک میں تھی تو وہ یہیں کی
زمین تھی، پھر" رحبا" پہنچا جو شام کا سرحدی مقام تھا، (رحبا عابور ندی اور
فرات کے سنگم سے ندی کے مغربی جانب ایک حلقی شکل کی نہر پر واقع ہے) اس
سے نکل کر السخنہ میں داخل ہوا جس کے گرم پانی کے چشموں کی وجہ سے اس کا یہ
نام رکھا گیا۔ یہاں چشموں سے پانی کھینچ کر رات کے وقت چھتوں پہ ٹھنڈا ہونے
کے لئے جمع کیا جاتا تھا، پھر تدمور (قدیم پلمائرا (PALMYTRA) گیا جس کے
متعلق یہ مشہور تھا کہ حضرت سلیمانؑ کے حکم سے جنات نے اسے بنایا تھا (السخنہ
اس وقت وسط فرات اور پلمائرا کے راستہ میں آخر الذکر سے تقریباً
۳۵ میل جانب شمال مشرق ایک بڑی اہمیت کا حامل شہر ہے) یہاں سے
چل کر وہ دمشق پہنچا، بیس برس پہلے اس شہر سے رخصت ہوا تھا، اس وقت
وہاں اس کی ایک بیوی حاملہ تھی۔ ہندوستان میں جب اس کو ایک لڑکے
کے تولد ہونے کی اطلاع ملی تو لڑکے کے ماموں کو جو مراکش کے مقنسہ .....
(MEQUINES) قبیلہ سے تھا، اس نے چالیس طلائی دینار ہندی لڑکے
کے لئے بھجوائے تھے، جامع دمشق کے امام اور مالکی فرقہ کے شیخ نورالدین السخاوی
سے ملاقات ہوئی، تو دریافت کرنے پہ معلوم ہوا کہ لڑکے کو مرکر بارہ برس ہو گئے
شیخ نے یہ بھی کہا کہ طنجہ کا ایک عالم ظاہریہ تعلیم گاہ میں اس وقت آیا ہوا تھا۔

ابن بطوطہ نے اس سے مل کر اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کا حال پوچھا تو خبر ملی کہ باپ کو مرکر ۱۵ برس ہوئے، ماں ابھی زندہ تھی، ہشتم سال تک دمشق میں رہا اگرچہ قحط سے شہر کا حال برا ہو رہا تھا۔ دمشق سے چل کر حمص، حماۃ، معرۃ النعمان اور سرمین کی راہ سے حلب گیا، وہاں معلوم ہوا کہ ایک درویش عین تاب کے باہر (حلب سے ۲۵ میل پر) صرف ایک مرید کے ساتھ ایک پہاڑ پر مجرد زندگی بسر کرتا تھا۔ ایک وقت فخریہ کہا کہ آنحضرت صلعم تو بغیر عورت کے زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ خود عورتوں سے بے نیاز تھا۔ قاضی اور خلیفۂ وقت کے پاس اس کی شکایت کی گئی تو چاروں مذہب کے فقیہوں نے درویش اور اس کے مرید کے قتل کا فتویٰ دیا، اور اس کی تعمیل کی گئی۔

اوائل ماہ جون میں خبر ملی کہ غازہ میں طاعون شروع ہو کر روزانہ ایک ہزار آدمی مر رہے تھے۔ حمص پہنچا تو وہاں بھی طاعون تھا۔ جس دن شہر میں داخل ہوا تین سو اموات واقع ہوئیں۔ اس لئے دمشق واپس ہوا، وہاں کے باشندوں نے تین دن کا روزہ رکھ کر جامع نقش قدم میں نماز جمعہ پڑھی، فضل الٰہی سے طاعون کی شدت کم ہو گئی، اس سے قبل ایک مرتبہ روزانہ اموات کی تعداد ۲۴۰۰ تک پہنچ گئی تھی، یہاں سے ابن بطوطہ عجلون اور پھر یروشلم گیا، جہاں طاعون ختم ہو چکا تھا، پھر ہبرون (HEBRON) کیا اور اس کے بعد غازہ گیا، تو اس کو طاعون کی دستبرد سے ویران پایا، قاضی نے بیان کیا کہ اس شہر میں روزانہ (۱۱۰۰) اموات ہوتی تھیں۔ بری راستہ سے دمیاط اور لعید کو

اسکندریہ گیا، یہاں طاعون کی شدت گھٹ رہی تھی۔ اگرچہ ایک وقت (۱۰۰۰) یک روزانہ آدمی مرے تھے، جب قاہرہ آیا تو معلوم ہوا جب وقت طاعون زوروں پر تھا تو ایک دن ۲۱ ہزار تک آدمی مرے، [یہ یورپین مورخین کا سیاہ طاعون ہے۔ جس سے اسلامی ممالک اتنا ہی تباہ و برباد ہوئے۔ جتنا مغول غارت گروں صلیبی لڑاکوں اور تیمور لنگ کی لوٹ مار سے ابن خلدون کا باپ بھی اس طاعون سے مرا۔ اس مرض کی ہولناکیوں کی تفصیل ابن خلدون کی تصنیفات میں درج ہے]۔ قاہرہ سے سعید (بالائی مصر) ہوتا ہوا عیذاب گیا۔ اور جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچا، وہاں سے ۲۲ر شعبان ۷۴۹ھ مطابق ۱۶ر نومبر ۱۳۴۸ء کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ ۲۰ر فروری تا ۲ر مارچ ۱۳۴۹ء کے حج سے فارغ ہو کر شام کے ایک کارواں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا، پھر یروشلم اور غازہ ہوتا ہوا قاہرہ واپس ہوا۔ یہاں معلوم ہوا کہ سلطان مغرب ابو عنان کے مساعی جمیلہ سے مرینی خاندان شاہی مراکش کی منتشر قوتیں پھر سے ایک مرکز پر جمع ہو گئیں اور اس کا فیض چاروں طرف پھیلنے لگا۔ یہ خوش خبری سن کر اس کے دل میں وطن واپس جانے کا جذبہ موجزن ہوا۔

ایک تونسی تاجر کے چھوٹے جہاز پر صفر ۷۵۰ھ (اپریل مئی ۱۳۴۹ء) میں قاہرہ سے جربا پہنچا۔ اس کے اتر لے کے بعد جہاز جب تونس پہنچا تو عیسائی قزاقوں نے (جن کی غارت گری اس زمانہ میں بعد کو آنے والے بربری قزاقوں سے بھی بڑھی ہوئی تھی) اس کو گرفتار کر لیا، جربا سے وہ ایک چھوٹی کشتی میں

بیٹھ کر قابس (GABES) گیا اور وہاں ابو المروان اور ابو العباس دو جلیل القدر بھائیوں کا مہمان رہا جو کئی خاندان سے جدبا اور قابس کے گورنر یا حاکم تھے، ان کے ساتھ میلاد النبی صلعم کے جلسہ میں بتاریخ ۱۲ ربیع الاول (۱۳ مئی ۱۳۴۹ء) شریک ہوا۔ بعدہٗ کشتی کی راہ سے صفاقس (SFOX) اور بلیانانکہ چلا گیا۔ (یہ مقام شاید نابیول" تونس " سے ۲۰ میل جنوب مشرق کو تھا، اور بحوالہ ادریسی یہاں ایک قلعہ تھا) پھر خشکی کی راہ سے عربوں کے ساتھ تکالیف اٹھاتا ہوا شہر تونس میں گیا، ۲۶ دن ٹھہر کر قطلانیوں (CATALANS) کے ایک جہاز پر سوار ہوا، جو جزیرہ سردانیہ کی نادر الوقوع گودی میں داخل ہوا جس کے پیچھے گنجان جنگل کا حلقہ تھا، اور جس کے دروازہ میں سے اجازت ملنے ہی پر داخلہ ممکن تھا، (غالباً یہ کانیاری (CAGLIARI) تھا، سردانیہ ان دنوں اراگون (ARAGON) کے علاقہ میں تھا، اگرچہ ایک زمانہ میں سردانیہ کے جزیرہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی) جزیرے کے باشندے بحری قزاق تھے، اس لئے ڈر تھا کہ گودی سے باہر آنے پر جہاز کا تعاقب کر کے مسافروں کو لوٹ لیں گے، خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ دس دن کے بحری سفر کے بعد شہر تنیس (TENES) پھر مازونا، مستغانم، اور بالآخر تلمسان گئے۔ یہاں ابن بطوطہ العباد کے گاؤں کو شیخ ابو مدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، (اس جگہ کی مسجد ۱۳۳۹ء میں بنائی گئی اور الجیریا میں مراکشی فن تعمیر کی بہترین مثال ہے)

پھر ندورنہ کے راستہ سے ہو کر اخندقان کی راہ لی اور شیخ ابراہیم کی خانقاہ میں

رات بسر کی، وہاں سے جب وہ اور اس کے ساتھی چلے تو "زغنغان" کے پاس (جو ایک بربر قبیلہ کے نام سے منسوب تھا) پچاس پیدل اور دو سو سواروں نے ان پر حملہ کیا، لڑتے ہوئے "تازا" کے شہر کو پہنچے جہاں ابن بطوطہ کو اس کی ماں کی وفات کی خبر ملی، بالآخر فاس (FES) دارالحکومت مراکش میں جمعہ کا دن ختم شعبان ۷۵۰ھ (۱۳ نومبر ۱۳۴۹ء) کو قدم رکھا، یہاں بادشاہِ وقت "المتوکل ابو عنان" کی مدح سرائی کرتا ہے۔ اور ملک کے امن اور ارزانی اشیاء خورد و نوش کا ذکر کرتے ہوئے وہیں سکونت اختیار کرنے کا قصد کرتا ہے۔

باب (۱۴)

سلطان ابوعنان کے دربار میں حاضری دے کر ابن بطوطہ اپنے وطن مالوف طنجہ کو گیا اور ماں کی قبر پر فاتحہ پڑھا۔ پھر سبتہ (CENTA) میں چند مہینے گذارے، یہاں تین ماہ تک بیمار رہا۔ جب چنگا ہوا تو سلطنت کی حفاظت کے لئے جہاد میں شریک ہوا "سبتہ" سے "اسیلہ" (ARZILA) کی کشتی میں بیٹھ کر اندلوسیہ پہنچا، جو اسپین کے عیسائیوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا، لیکن مرفہ الحالی کا معدن تھا، جیسا کہ قبل ازیں ذکر آچکا ہے۔ اس وقت عیسائی ظالم "ادفونس" (ALPHONSO XI) جبل الطارق کے ناکامیاب دس ماہ کے محاصرے کے بعد مرچکا تھا، وہ سب سے پہلے جبل الطارق کو گیا، اس کی مضبوط قلعہ بندیوں کا ذکر کرتا ہے جو مرحوم مراکش سلطان ابوالحسن اور اس کے بعد اس کے بیٹے حاکم وقت ابوعنان نے کفار سے بچانے کے لئے بنا کیں۔ ابن جزی (مصنف کتاب) جبل الطارق کو اسپین کے مسلمانوں کے لئے اسلام کا قلعہ کہتا ہے جس کو طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے ۱۱۷ھ میں عیسائیوں کے ملک میں بلند کیا تھا، مرحوم سلطان ابوالحسن نے اس کو عیسائیوں کے بیس سال سے زائد قبضہ سے اپنے لڑکے ابو مالک کو فوج اور روپیہ کے ساتھ بھیج کر چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد ۷۳۳ھ مطابق ۱۳۳۲ء میں چھڑایا۔ ابوالحسن نے پہاڑ پر بہت بڑا قلعہ اور دارالصناعہ بنایا، اور اس کے گرد اونچی

فصیل تیار کروائی، اس کے بعد سلطانِ وقت ابو عنان نے اس میں مزید اضافہ کیا۔

ابن بطوطہ جبل الطارق سے روندا (RONDA) کے مستحکم قلعہ بند اور خوشنما شہر کو گیا جس کا قاضی اس کا رشتہ کا بھائی فقیہہ ابوالقاسم محمد بن یحییٰ بن بطوطہ تھا، ۱۵ دن بعد شہر مرتلا کو گیا۔ پھر مالقہ جانے کا قصد کیا، جو اندلوسیہ کے بہترین شہروں میں سے تھا، خوش قسمتی سے سہیل کے صوبہ میں چوروں سے بچ کر نکلا، (سہیل کا ذکر ادریسی کے جغرافیہ میں نہیں ہے۔ لیکن مقری لکھتا ہے کہ مالقہ کے مغرب میں ایک صوبہ ہے جس میں کئی گاؤں ہیں۔ اس میں ایک پہاڑ سہیل نامی ہے، اندلس بھر میں اس پہاڑ کے سوا اور کسی مقام سے سہیل کا روشن جنوبی ستارہ دکھائی نہیں دیتا۔) پھر مالقہ کی وسعت، خوبصورتی اور ارزانی کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اسکی مسجد بہت وسیع تھی اور متبرک مانی جاتی تھی، اس مسجد میں قاضیِ شہر علماء اور سر برآوردہ باشندے عیسائیوں کے پنجہ میں گرفتار شدہ مسلمان مسافروں کی رہائی کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔

مالقہ سے ۲۴ میل طے کر کے "بلش" (VELAZ) گیا جو میوہ کے درختوں اور شاندار مسجد سے ایسا ہی آراستہ تھا جیسا مالقہ پھر الحمامہ (ALHAMA) گیا، اس کے گرم پانی کے چشموں اور حماموں کا ذکر کرتا ہے۔ اس سے نکل کر "غرناطہ پایۂ تخت" اندلوسیہ

"عروس البلدان" کی تعریف کرتا ہے۔ اس کے چالیس میل کے باغات جس میں سے "دریائے شنیل" بہتا ہے۔ عین الدماع (آنسوؤں کا چشمہ) لاثانی نخلستان اور باغات سے ڈھکے ہوئے پہاڑ کی مدح سرائی کرتا ہے۔ وہاں کا بادشاہ سلطان ابو الحجاج اس وقت بیمار تھا اس لئے ابن بطوطہ اس کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا لیکن سلطان کی جلیل القدر ماں نے اس کے لئے کچھ دینار بھیجے،

(سلطان ابو الحجاج یوسف اول اس وقت کا مصری سلطان غرناطہ تھا ۱۳۳۳ء تا ۱۳۵۴ء حکمراں رہا، اس کو کیا بیماری تھی کسی اور شخص نے بھی نہیں بتائی) ابن بطوطہ اگر اس سے ملنے الحمراء کے اندر جاتا تو اس مشہور عمارت کی ہندسی خصوصیات کے متعلق اس کی رائے قابل یادداشت ہوتی) غرناطہ میں اس نے وہاں کے سربرآوردہ اساتذہ اور صوفیوں کے شیخ سے ملاقات کی، شیخ نے اس کو اپنے ساتھ لے کر صوفیوں کی خانقاہ طلیعۃ العقاب بتائی۔ العقاب غرناطہ سے ۲ میل پر ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جہاں سے سارا شہر صاف نظر آتا ہے، البیرا (ALVIRA) جہاں مسلمانوں نے چند سال قبل ۱۳۱۹ء میں قسطلانیوں کو شکست دی تھی، اور ابھی کھنڈر کی حالت میں پڑا تھا، اس کے قریب واقع ہے، غرناطہ میں چند ایرانی درویش رہتے تھے، ایک سمرقند سے آیا تھا، ایک تبریز سے ایک خراسان سے دو ہندوستان سے وغیرہ وغیرہ۔

غرناطہ سے ابن بطوطہ، الحما، بلش، مالقہ ہوتا ہوا قلعہ ذکوان پہنچا جس کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور جہاں میوے کے درختوں اور پانی کی افراط تھی، پھر رونڈ سے جبل الطارق گیا اور اسی جہاز سے سبتہ واپس ہوا جس پر آیا تھا، بند کوسیلہ میں

چند روز ٹھہرا پھر رباط کے قریب سلا (SALLEE) پہنچا اور وہاں سے مراکش اس شہر کی مسجدوں خصوصاً مسجد کتبیون کا ذکر کرتا ہے جس کے نہایت اونچے مینار پر سے اس نے سارے شہر کا معائنہ کیا۔ شہر خود بغداد کی طرح اجڑ گیا تھا لیکن بغداد کے بازارات پھر بھی بارونق تھے۔ (شہر مراکش المرابط خاندان نے ۱۰۷۰ء میں بنیاد ڈالی۔ بحوالہ ادریسی وہ ایک میل لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا، شہر کی دیوار بھی قائم ہے اور ۶ میل لمبی ہے جب مرینیوں نے اس کا محاصرہ کر کے اس کو فتح کیا، اور ملک کا پایۂ تخت فاس میں منتقل کیا تو مراکش اجڑ گیا، مسجد کتبیون کا مینار اب بھی موجود ہے اور مراکشی صنعت تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔

باب (۱۵)

(یادداشت :- ابن بطوطہ نے صحارا اور دریائے نائجر (NIGER) کے ممالک میں جو سفر کئے ہیں ان کا حال سب سے پہلے ڈبلیو۔ بی۔ کولی (COOLEY) نے ایک نامکمل عربی نسخہ کی بنا پر ۱۸۴۱ء میں لندن میں بعنوان "عربوں کی سرزمین سیاہ اقوام" شائع کیا، بعد کو ڈی سلینی (DESHANE) نے رورنال ایشیاٹک (TOURNAL ASIATIQUE) کے مارچ ۱۸۴۳ء کے رسالہ میں پورے نسخہ کا شرح و تنقید کے ساتھ ترجمہ شائع کیا اس مواد کو ڈیلافوس (DELOFOSSE) نے (HANTSINE - GETNIGER) پیرس ۱۹۱۲ء میں بڑی قابلیت کے ساتھ دنیائے علم کے سامنے دوبارہ پیش کیا۔ گب (G. BB) نے اپنے انگریزی نسخہ سفر ابن بطوطہ کے آخری اب میں اس سے بہت استفادہ کیا ہے)

مراکش سے ابن بطوطہ سلطان ابو عنان کی ہمراہی میں فاس گیا اور سلطان سے اجازت لے کر افریقہ کے سیاہ اقوام کے ممالک کا سفر کیا۔ سجلماسہ کے مشہور اور عالی شان شہر میں ابو محمد البشری کے ہاں مہمان رہا۔ اس نے اسکی بڑی عزت کی یہ وہی عالم ہے جس کے بھائی سے ابن بطوطہ نے چین کے قنجنفو میں ملاقات کی تھی۔ اور اس کا پیام سجلماسہ پہنچانے کا وعدہ کیا تھا، اقالیم ایشیا و افریقہ کے مشرقی و مغربی کناروں کا بعد ان دو بھائیوں کی سکونت کے مقاموں میں ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے کو پیغام و سلام بھیجتے تھے، مقام حیرت ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان کیسے اولوالعزم تھے حالانکہ ان دنوں بحری سفر چھوٹے بادبانی جہازوں ہی میں ہوا

کرتا تھا، کہتا ہے بصرہ میں خرما بکثرت پیدا ہوتا تھا لیکن خوبی میں سجلماسہ کا خرما اس سے بہتر تھا، علی الخصوص ایرآر نامی جس کو وہ تمام میں لاثانی تصور کرتا ہے۔ (آٹھویں صدی عیسوی سے سولھویں تک کوہ اطلس (ATLAS) کے جنوب میں سجلماسہ سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ اب اس کے کھنڈر وادی زیز (ZIZ) میں حالیہ تفیللت (TEFILELT) کے قریب پانچ میل تک پھیلے پڑے ہیں)

سجلماسہ سے اس نے اونٹ اور ان کا چار مہینہ کا چارہ خرید کر غرہ محرم ۷۵۳ھ (۱۸ فروری ۱۳۵۲ء) کو ایک کارواں کے ساتھ ہولیا، جس میں سجلماسہ کے بھی کئی تاجر شامل تھے، ۲۵ دن بعد کارواں تغازا (TAGHAZA) نام کے ایک عجیب وغیر مانوس قصبہ پہنچا، جس کے مکانات ومساجد کی دیواریں معدنی نمک کے کندوں کی تھیں اور چھتیں اونٹ کے چمڑوں کی۔ یہاں کوئی درخت نہ تھا، ہر طرف ریت ہی ریت تھی، اور ریت میں نمک کی کان جس میں سے موٹی موٹی تختیاں نمک طعام کی کھود کر نکالی جاتی تھیں۔ انکی بہ تیں ایک پر ایک اس طرح جمی ہوئی تھیں گویا کسی نے ہتھیار سے تراش کر انکو مٹی کے اندر دفن کر دیا، (واضح ہو کہ نمک طعام کی قلموں کی شکل مکعب ہوتی ہے، اس لئے معدن سے مکعب کندے برآمد ہوتے ہیں۔) (تغازا کے نمک کے معادن "تاودینی" (TAODINI) کے شمال مغرب میں واقع ہیں)، اس نمک ہی کی وجہ سے یہ شہر سیاہ اقوام کی سلطنتوں کا اہم سرحدی مقام تھا۔ ایک اونٹ پر ایسی دو ہی تختیاں لادی جا سکتی تھیں، تغازا میں بربر قوم مسوفہ کے غلاموں کے سوا کوئی اور لوگ نہیں رہتے تھے، انکا کام نمک کھود کر نکالنا تھا۔ تغازا ، درعہ اور سجلماسہ کی کھجوریں، اونٹ کے گوشت اور سیاہ اقوام کے ملکوں سے لائے ہوئے اناج پر مشتمل تھی، (وادی درعہ اینٹی اٹلس

(ضد کوہ اطلس) کے جنوبی حصہ کا بارش کا پانی بہالے جاتی تھی، سنہاجہ قوم کو اس وقت متوفہ کہتے تھے، یہ اور لمتونہ زمانۂ قبل تاریخ سے مغربی صحارا میں آباد تھے، ابن بطوطہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفہ کی بربر قوم وسطی صحارا میں تغازا سے "تمبکتو" تک اور مشرق کی جانب "ایر" اور "ہوجار" تک آباد تھی، افریقہ کے کالے آدمی یہاں نمک خریدنے آتے تھے] الہالاتن میں ایک اونٹ پر لدے ہوئے نمک کی قیمت ۸ تا ۱۰ مثقال زر تھی اور مالی کے شہر میں ۲۰ تا ۳۰ مثقال اور کبھی کبھی ۴۰ مثقال بھی ہو جاتی تھی، کالے آدمی نمک ہی کے ٹکڑوں کو بطور سکہ خرید فروخت کے کاموں میں استعمال کرتے تھے۔ معاملت کی مقدار سفوف زر کی رقموں میں ہزاروں سے متصور ہوتی تھی۔

یہاں کا پانی کھاری تھا، مکھیاں بہت ستاتی تھیں اس لئے کارواں کو دس دن تکلیف اٹھانی پڑی، صحرا سے گذرنے کے لئے تغازی ہی میں پانی بھر لینا پڑتا تھا) دس راتوں کا سفر تھا خوش قسمتی سے بارش برس جانے سے گڑھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا اس سے کام لیا گیا، ایک دن چٹانوں کے بیچ کا پانی ملا جو میٹھا تھا، مسافروں نے اس سے اپنی پیاس بجھائی اور کپڑے دھوئے۔ زیر زمیں اگنے والی قدرتی گھاس بہت تھی گر جوئیں بھی بکثرت تھیں اکثر لوگ پارے کے ہار بنا کر گلے میں ڈال لیتے تھے جس سے جوئیں مرجاتی تھیں۔ کارواں کو چھوڑ کر چلنے میں بڑا خطرہ تھا، کئی آدمی اس طرح راستہ بھٹک کر پیاس سے مرجاتے تھے، کارواں اس کے بعد "تاسرحلہ" (TASARSHLA) پہنچا جہاں زیر زمیں پانی کے طبقات تھے [یہ غالباً مشہور عرب جغرافیہ نویس ادریسی کا تیسرا کنواں تھا] جہاں عموماً تین دن قیام ہوتا تھا، لوگ پانی کی داغ دوزی کر لیتے

تھے اور ہوا سے بچانے کے لئے ان پر تھیلیوں کا کپڑا سیتے تھے، اس مقام سے تکشیف بھیجا جاتا تھا۔ اصطلاح میں تکشیف سے مراد مسّوفہ قوم کا کوئی شخص ہوتا تھا جس کو کاروانی نوکر رکھ کر اپنے دوستوں کے پاس قبل از قبل خطوط کے ساتھ ایوالاتن (IWALATAN) روانہ کرتے تھے تاکہ ان کے آنے پر ان کے رہنے بسنے کا انتظام کیا جائے پھر چار شب کی راہ پر تکشیف کا روانیوں سے ملنے آتے، اور اپنے ساتھ پانی بھی لاتے، اگر کسی کا وہاں دوست نہ ہوتا تو بھی تکشیف کسی مشہور تاجر کے پاس خط لے جاتے اور تاجر یہی انتظام کرتا اکثر اوقات تکشیف راستہ میں مرجاتا، اور ایوالاتن کے لوگ کاروان کی آمد سے ناواقف رہتے، ایسی صورت میں سارا کا رواں یا اس کا بیشتر حصہ تلف ہوجاتا مشہور تھا کہ صحرا میں شیاطین تنہا جانے والے تکشف کو بہکاتے اور راستہ سے بھٹکا دیتے، ریگ رواں میں راستہ کا پتہ چلانا مشکل تھا، جہاں تھوڑی دیر پہلے گڑھا تھا وہاں ٹیلہ بن جاتا تھا اور ٹیلہ کی جگہ گڑھا، ایسی حالت میں صحیح راستہ ملنا از حد مشکل تھا، ابن بطوطہ کا تکشیف ایک آنکھ کا اندھا تھا، اس کی دوسری آنکھ میں خلل تھا، ان اسقام کے باوجود اس سے بہتر کوئی راستہ پہچاننے والا نہ تھا، اس کو ایک سو مثقال زر دینا لازم بنایا گیا! "تاسرحلہ" سے چلنے کے ساتویں دن شب کے وقت کاروانیوں کو ایوالاتن لیجانے والی جماعت کے خیمے اور انکی روشن کی ہوئی آگ نظر آئی تو انکا دل باغ باغ ہوگیا!

اس طرح دو مہینے کے بعد کارواں ایوالاتن پہنچا۔ (یہ لفظ بربر زبان میں جمع کا صیغہ ہے جس کا واحد ولاتہ ہے۔ اس کا عرض بلد ۲۰ ر ۱۷ شمال اور ۴۲ ر ۶ مغرب ہے تیرھویں صدی عیسوی میں یہ مقام غانہ کے عوض صحارا سے پار گذرنے کی تجارتی راہ کا جنوبی سرا تھا) یہ شہر سیاہ اقوام کے ملک کی شمالی سرحد میں واقع تھا، انکے سلطان

کا نائب فربا حسین نامی ایک شخص تھا (فربا کے معنی نائب ہیں) کارواں جب شہر میں داخل ہوا تو کاروانیوں نے اپنا سامان ایک کھلے میدان میں پھیلا دیا، اور سیاہ فام قوم نے ان سب اشیاء کی حفاظت اپنے ذمہ لی، کاروانی فربا کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ شخص سفید فام اقوام کے ساتھ بہت رعونت سے پیش آتا تھا۔ ان سے بات گفتگو کرنا اپنے لئے کسر شان سمجھ کر مترجم کے توسط سے گفتگو کی، ابن بطوطہ کو یہ حرکت بہت بری معلوم ہوئی اور پچھتایا کہ کیوں ایسی قوم کے ملک کا سفر اختیار کیا۔

وہاں سے اس نے شہر "سلا" (رباط SALLEE) کے ایک معتبر آدمی، ابن بدا سے ملنے گیا، جس کو اس نے ایک مکان کرایہ پر لینے کے لئے لکھا تھا، معلوم ہوا کہ مکان اسکے لئے کرایہ پر لے لیا گیا۔ بعد کو ابوالاتن کے مشرف (یعنی ترجمان) مسمیٰ "منشا جو" نے تمام اہل کارواں کو کھانے کی دعوت دی، ابن بطوطہ نے پہلے تو جانے سے انکار کیا پھر چلا گیا، سوکھے نصف کدو میں کوٹا ہوا باجرا، تھوڑے سے شہد اور دودھ میں ملا کر مہمانوں کو کھلایا گیا، کاروانیوں نے اس کو کھا لیا اور پانی پی کر رخصت ہوئے ابن بطوطہ نے چند ایک سے پوچھا کہ کیا کالے آدمیوں نے اسی دعوت کے لئے بلایا تھا تو جواب ملا کہ ہاں ان کے پاس یہی دعوت بڑی مہماں نوازی سمجھی جاتی تھی۔ ابن بطوطہ یہ سن کر فوراً وہاں سے عازم حج کے ساتھ مراکش واپس جانے لگا لیکن ملک بینی کے شوق نے اسکو اس قوم کے بادشاہ کے دارالسلطنت "مالی" تک جانے پر مجبور کیا۔

ابوالاتن میں اس کا قیام پچاس دن رہا، باشندگان شہر نے اسکا بڑا احترام کیا اور دعوتیں دیں، گرمی شدت کی تھی، چند ایک کھجور کے چھوٹے درخت تھے

جن کے سایہ میں ترنیہ بویا جاتا تھا، پانی طبقات زیرزمیں سے حاصل کیا جاتا تھا، بکرے کا گوشت بہت ملتا تھا، یہاں کے باشندے زیادہ تر بربر قبیلہ مستوفہ سے تھے ان کے لباس مصر کے نفیس کپڑے سے بنے تھے، ان کی عورتوں کا حسن حیرت انگیز تھا، اور ان کی بہ نسبت مردوں کے زیادہ عزت کی جاتی تھی، لیکن رسم ورواج عجیب تھے، لوگ اپنا تعارف کراتے کہ فلاں کے بھانجے ہیں، فلاں کے بیٹے ہیں۔ ایسا ہی جیسا کہ ملیبار میں طریقہ تھا۔ وہ نوکا فرتھے یہ لوگ مسلمان پابند صوم وصلوٰۃ تھے، فقہ سے واقف اور حافظ قرآن، عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں، مردوں کے ساتھ بے تکلف پھرا کرتی تھیں، لیکن نماز کی سخت پابند تھیں، جو شخص چاہے ان سے عقد کرسکتا تھا، مگر وہ شوہر کے ساتھ ملک سے باہر نہیں جا سکتی تھیں، اگر کوئی جانا بھی چاہتی تو اس کے رشتہ دار اس کو جانے نہیں دیتے تھے۔

ان عورتوں کے خاندان سے باہر والے ذکوریں سے چند ایک "دوست" یا "رفیق" بھی ہوا کرتے تھے، اسی طرح مردوں کے بھی زمرۂ اناث میں سے "دوست" تھے کوئی شخص اگر اپنے گھر آکر اپنی بیوی کو اس کے ایسے "دوست" کی ضیافت کرتی ہوئی دیکھتا تو معترض نہ ہوتا۔ ایک دن ابن بطوطہ قاضیِ شہر کے مکان میں باجازت داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ ایک جوان غیر معمولی حسین عورت کے ساتھ بیٹھا تھا، شرم کے مارے واپس چلا جانا چاہا تو عورت ہنسنے لگی اور قاضی نے کہا کیوں جاتے ہو یہ میری "دوست" ہے، قاضی فقیہ اور حاجی تھا، اس نے سلطان سے اجازت لے رکھی تھی کہ اس سال حج کو اپنے ساتھ ایک دوست یا رفیق کو لے جائے یہ نہ معلوم ہوا کہ آیا وہ وہی عورت تھی جس کو اس نے دیکھا تھا، یا کوئی اور۔

ابن بطوطہ نے مالی جانے کے ارادہ سے (جس کے لئے اگر جلد سفر کیا جائے تو چوبیس دن کافی تھے) قبیلۂ مستوفہ کا ایک راہ نما نوکر رکھا، اہل کارواں سے تین اور اشخاص اس کے ساتھ ہو لئے، راستہ محفوظ ہونے کی وجہ سے کارواں ہی کے ساتھ چلنا ضروری نہ تھا، راستہ میں اس کو "بے او باب" (BAOBAB) کے درخت نظر آئے، ان کے نہ پتے تھے نہ ڈالیاں لیکن تنے اتنے بڑے اور موٹے تھے کہ ایک بڑا کارواں ان کے سایہ میں ٹھہر سکتا تھا۔ بعض تنوں کا اندرونی حصہ سڑ کر سوکھ جاتا تو بارش کا پانی اس میں جمع ہوتا تو لوگ اس کو بطور مخزن آب استعمال کرتے، اور اسکا پانی پیتے تھے۔ چند تنوں کے اندر شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر رہتی تھیں۔ ایک تنے کے اندر ابن بطوطہ نے ایک جولاہے کو معہ ساز و سامان بیٹھ کر کپڑا بنتے دیکھا، (اس درخت کا نباتاتی نام (ADANSONIADIGITATE) ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل یورپ شاید پرتگالیوں نے ۱۵۹۲ء میں اس درخت کو افریقہ سے باہر کی دنیا سے روشناس کرایا۔ انگریزی بول چال کی زبان میں اس کو بندر کی روٹی کا درخت کہتے ہیں ان مقامات میں جہاں پانی کی قلت تھی بعد کو عمداً اس درخت کو اندر سے کھوکھلا بنایا جاتا تھا تاکہ بارش کا پانی اس میں جمع ہو جائے اسی مقصد سے یہ جھاڑ اٹھارویں صدی میں مغربی افریقہ سے مشرقی سوڈان (خردفان) میں بوئے گئے۔

اس ملک میں سفر کرنے والے اپنے ساتھ کسی قسم کا توشہ از قسم اشیاء خورد و نوش یا سونا چاندی نہیں رکھتے تھے صرف نمک کے ٹکڑے شیشہ کے منکے اور خوشبو کی چیزیں ساتھ رکھ لئے جاتے، جب کسی گاؤں میں گذر ہوتا تو وہاں کی سیاہ فام عورتیں باجرا یا جوار (مرغے کے چوزے، کنول کا میوہ، چاول، فونی (جو سرسوں کے بیج سے مشابہ ایک

اناج ہوتا ہے جس سے کسکسو اور دلیا بنایا جاتا ہے، اور کوٹی ہوئی مچھلی گھروں سے لے آتیں، اور اُن میں سے اپنی ضرورت کی چیزیں لوگ خرید لیتے، انکے ہاں کا چاول سفید فام اقوام کے لئے مضر تھا، متلی پیدا کرتا تھا، البتہ فونی اچھی چیز تھی، (کسکسو شمال مغربی اور افریقہ کی عام غذا ہے، فرانسیسی بھی اس کو استعمال کرتے ہیں۔)

ابوالاتن سے نکل کر دس دن بعد ابن بطوطہ زاغری نامی ایک بڑے قصبہ میں داخل ہوا "ونجراتا" نام کے سیاہ فام تاجر آباد تھے، وہاں چند سفید فام خاندان بھی عبادی فرقہ کے رہتے تھے، (عبادی" خوارج کی ایک شاخ ہے۔ جو اس وقت عمان، زنجبار اور جنوبی الجیریا کے علاقہ "مازب" میں آباد ہے، ممکن ہے جن عبادیوں کا ابن بطوطہ نے ذکر کیا ہے وہ مآزب کے تجارے ہوں) اس قصبہ سے اناج ابوالاتن کو جاتا تھا، ابن بطوطہ یہاں سے چل کر دریائے نائجر کے کنارے پہنچا اس بڑی ندی کو جس پر "کارسنحو" واقع اور جو آگے چل کر "کابرا" اور "زاغہ" کے بازو سے بہتی ہے وہ غلطی سے دریائے نیل تصور کرتا ہے (دریائے نائجر حال علاقہ فرنچ گینی (GUINEA) سے نکلتا ہے اور خلیج گینی میں گرتا ہے، کارسنحو" کے متعلق "ڈیلافوس" کی رائے ہے کہ وہ کراستقہ یعنی کراکا بازار ہے، حالیہ "کونگوکورو" سے متصل اور محاذی، کرا سے کچھ فاصلہ شمال کی جانب "کابرا" کی نسبت اس کا خیال ہے کہ وہ حالیہ مشہور بندرگاہ "کابرا" قریب شہر "تمبکتو" نہیں ہے بلکہ "جعفرابا" ہے "ناغہ" یا "زاغائے" قدیم سلطنت "تکرور" کے پایۂ تخت "جاغہ" کے نام سے مربوط ہے، شمال مغربی افریقہ میں جعفرابا سے نصف یوم کی راہ اور دریائے نائجر کی شمال مغربی شاخ پہ ایک وسیع رقبہ ہے "سودان" میں "تکرور" ہی

ایک ایسا مقام تھا جہاں گیارہویں صدی عیسوی میں دین اسلام کی اشاعت ہوئی تھا کا برا اور زاغہ کے سلطان علیحدہ علیحدہ تھے، دونوں بادشاہ مالی کو اپنا صدر مانتے تھے، زاغہ کے باشندے اس خطہ میں سب سے قدیم مسلمان ہیں، پابند صوم وصلوٰۃ اور علم کے شائق۔ یہاں دریائے ناٰئجر تمبکتو اور پھر "گاؤگاؤ" کو جاتا ہے۔ اس کے بعد شہر مولی کے پاس سے بہتا ہے، جو "لیمی" قوم کے ملک میں واقع ہے اور یہ سلطنت مالی کا سرحدی صوبہ ہے۔ دریا پھر "یونی" کے بازو سے گزرتا ہے، جو کالے آدمیوں کے سب سے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ سفید فام آدمیوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی، راستہ ہی میں وہ قتل کر دیا جاتا ہے۔ اس بیان کے بعد ابن بطوطہ اس وقت کے تمام خیال کے بموجب دریائے ناٰئجر کو دریائے نیل تصور کر کے کہتا ہے کہ دریا "نوبا" کی سرزمین (NUBIA) میں سے گزرتا ہے جس کے باشندے عیسائی ہیں پھر "دنقلا" میں سے بہتا ہے جو اس علاقہ کا سب سے بڑا شہر ہے، یہاں سلطان وقت ابن کنز الدین تھا جو مصر کے سلطان الملک الناصر کے عہد میں مشرف باسلام ہوا۔ نیل اور ناٰئجر میں دھوکہ کھا کر کہتا ہے کہ بالآخر دریائے نیل کے آبشاروں اجنادل پر سے بہتا ہے، اور یہ کالے لوگوں کا ملک کا آخری مقام ہے۔ کیوں کہ یہاں سے اسوان بالائی مصر کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ [فی الحقیقت دریائے ناٰئجر مشرق کی جانب کچھ فاصلے طے کر کے بالآخر مغربی افریقہ کے جنوبی ساحل پر خلیج گینی میں گرتا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے، ابن بطوطہ اور "لیو" (LEO) افریقی نے ناٰئجر کو سفید نیل کی شاخ بحر الغزال سے مخلوط کیا ہے، ادریسی اور نیز یورپی جغرافیہ نویسوں نے ناٰئجر کو دریائے سنیگل (SENEGAL) سے ملا دیا جو بحر ظلمات میں گرتا ہے،]

دریائے ناتجر کے کنارے پر ایک حصہ میں اس نے ایک گرمچھ دیکھا جو چھوٹی کشتی کے برابر لمبا اور شکل میں اس کے مشابہ تھا، آدمیوں کو بھی یہ موذی پکڑ کر کھا جاتے تھے۔

(ظن غالب ہے کہ موّلی وہی شہر ہے جو بعد کو موری کہلانے لگا۔ دریائے ناتجر کے بائیں کنارے "پرنامے" کے قریب مقابل کے کنارے پر قمبوری ہے، شائد اسی کو ابن بطوطہ قنبری کہتا ہے۔ "لیمی" قوم کی نسبت ڈیلافوس اور مرکوارٹ (MARQUART) کا قیاس ہے کہ وہ خطہ "کینیا" کے باشندے تھے مگر کولی کی یہ رائے کہ وہ دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں کے بیان کے بموجب "لم لم" قوم سے تھے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے، البکری ان کو دم دم کہتا ہے، اور ان کا مقام دریائے ناجر پر "گاؤ گاؤ" کے نیچے بتاتا ہے دم دم کے معنی یقیناً آدم خوار کے ہیں۔ فلبے (FULBE) زبان میں یہ لفظ نیام نیام ہوگیا، نیام نیام کے معنی کھانے کے ہیں جو بعد کو عربی میں نم نم اور یم یم کہا جانے لگا، قبل ازیں ابن بطوطہ نے مشرقی افریقہ کے سفر میں کہہ دیا ہے کہ سونے مٹی یا خاک "سوفالہ" کو یوفی سے لائی جاتی تھی جو لیمی" قوم کے ملک میں واقع تھا" کولی" کی اس رائے سے کہ یوفی "نیوپے" (NUPE) کا بدلا ہوا نام ہے، لوگ متفق ہیں۔ اس محل کا وقوع ناجر پر ابن لوکوجا (LOKO JA) اور جبا ہے۔)

(مصر کے سلطانوں نے نیوبیا کی عیسائی ریاست پر کئی مرتبہ ۱۲۷۱ء اور ۱۳۲۳ء کے مابین چڑھائی کی جس کی وجہ سے اس ریاست میں انتشار پیدا ہوگیا چودھویں صدی کے ابتدا میں ڈونگولا عربوں کے ایک قبیلہ کنز یا کنزالدولہ سابقہ خاندان امرار اسوان کے قبضہ میں آگیا۔ اس قبیلے کے سردار کو ابن بطوطہ کنزالدین کہتا ہے مرکوارٹ اس کو پہلا مسلمان بادشاہ نیوبیا تسلیم کرتا ہے۔)

مغربی افریقہ میں ابن بطوطہ کا سفر
غرناطہ
جبل طارق
طنجہ
الجزائر
بجایہ
تونس
سردانیہ
تلمسان
تازہ
فاس
مراکش
سجلماسہ
بودا
توات
غدامس
گھات
تغازہ
الوالاتن
تمبکتو
کوکو
تکدہ
زغاری
مالی
موشی
نیانی
سرحد سلطنت مالی
SKETCH MAP OF WEST AFRICA TO ILLUSTRAT N BATTUTAS TRAVI

اس کے بعد ابن بطوطہ کرسخو سے روانہ ہوا اور سنسرا (SANSARA) کی ندی پر پہنچا جو شہر مالی سے دس میل دور ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اجازت ملی ہو کوئی دوسرا شخص شہر کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ ابن بطوطہ نے پہلے ہی سے یہاں کے سفید فام لوگوں کو اپنے لئے مکان لے رکھنے کے لئے لکھا تھا، اس لئے وہ کشتی کے ذریعہ ندی پار ہو سکا۔ اور پھر شہر مالی پایہ تخت بادشاہ سیاہ فام اقوام کے اندر داخل ہوا محمد بن الفقیہ اور اس کے داماد نے اسکے لئے مکان کرایہ پہلے رکھا تھا، داماد کی طرف سے کھانے اور موم بتیوں کا انتظام کیا گیا۔ یہ دونوں شخص اور قاضی شہر حاجی عبدالرحمٰن (از قوم سیاہ فام اس کی ملاقات کو آئے، ترجمان دوغا سے بھی ملاقات ہوئی۔ جو ان لوگوں میں بڑا آدمی سمجھا جاتا تھا، سبھوں نے اس کی مہمان داری کی "

مالی جانے کے دس دن بعد ابن بطوطہ اور اس کے ساتھیوں کو وہاں کے ایک قسم کا کھانا کھانے کا اتفاق ہوا جس سے سب بیمار ہو گئے۔ ایک شخص مر گیا۔ ابن بطوطہ نماز صبح میں بیہوش ہو گیا، ایک مصری نے بیدر نام کا ایک جلاب اسکو دیا جس سے بہت صفرا خارج ہوا اور وہ بالآخر اچھا ہو گیا لیکن دو مہینے تک کامل صحت نہ پا سکا۔

مالی کے سلطان کا نام منسا سلیمان تھا، منڈے (MANDE) زبان میں لفظ منسا کے معنے خود سلطان کے ہیں، یہ شخص بڑا بخیل تھا۔ علالت کی وجہ سے ابن بطوطہ دو مہینے اس کے دربار میں نہ جا سکا، کچھ دنوں بعد اس نے مرحوم سلطان مراکش ابوالحسن کی یادگار (فاتحہ) میں ایک ضیافت کی جس میں تمام سرداران فوج، اطبا، قاضی، واعظ وغیرہ موجود تھے، قرأت قرآن مجید کے بعد ابوالحسن مرحوم اور منسا سلیمان کے لئے دعائیں پڑھی گئیں، اختتام پر ابن بطوطہ نے منسا سلیمان کو سلام کیا، قاضی وغیرہ

نے اس کا تعارف کرایا۔ لیکن بادشاہ نے اس کو وہاں کچھ تحفہ وغیرہ نہیں دیا گھر جانے پر بادشاہ کی طرف سے خوان نعمت وصول ہوا جس کے لینے کے لئے اس کو کھڑا ہونا پڑا۔ دیکھا تو صرف تین روٹیاں، گائے کا گوشت زیتون کے تیل میں تلا ہوا اور کھٹے دہی کا ایک نصف کدو تھا۔ اس بخل کو دیکھ کر اس سے رہا نہ گیا۔ ہنس پڑا۔

اس کے بعد اس کو کوئی اور تحفہ عطا نہ ہوا۔ دو مہینے بعد رمضان شروع ہوگیا، ترجمان کے ذریعہ اس نے بادشاہ کو مطلع کیا کہ اپنے وطن کو واپس جا کر مالی کے سلطان کی فیاضی کا کیا حال بیان کیا جا سکے گا۔ تو حکم ہوا کہ اس کے لئے ایک علیٰحدہ مکان مقرر ہو اور اخراجات خورد و نوش کا انتظام کیا جائے۔ شب قدر کو زکوٰۃ کی تقسیم کے موقع پر قاضی اور واعظ نیز دیگر علماء کے ساتھ اس کو ۱/۲ ۳۳ مثقال زر عطا ہوئے، مالی سے رخصت ہوتے وقت مزید ایک سو مثقال دیے گئے۔

کہتا ہے کہ سلطان کا دربار محل کے صحن میں ایک درخت کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ تین زینے کے ایک تخت پر جو "بمپی" (PEMPEY) کہلاتا تھا ریشمی کپڑا بچھایا جاتا تھا۔ اس پر تکیوں سے لگ کر سلطان بیٹھ جاتا، اس کے سر پر ایک ریشمی چتر ہوتا تھا جس کے اوپر ایک سونے کا باز بنا تھا، سلطان محل کے ایک کونے سے چلتے وقت اس کے ہاتھ میں کمان اور پیٹھ پر ترکش ہوتا تھا، سر پر زریں ٹوپی سنہری ڈوری سے لپٹی ہوئی ڈوری کے سروں پر ایک بالشت سے زائد لمبے پھندے لٹکتے تھے اس کا لباس عام طور پر لال مخمل کا

کوٹ متنفس (MUTANFAS) نام کے یورپی کپڑے کا ہوتا تھا ۔ دربار کے رسوم بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے جیسے تخت پر چڑھتے وقت موسیقی باجوں کی سلامی ، غلاموں کی دوڑ کر سرداران فوج اور دیگر عمائد کی طلبی دوزین و لگام سے آراستہ گھوڑوں اور دو بکروں کی (نظر بد سے بچانے کی غرض سے) فراہمی وغیرہ ۔ ہم قارئین کو ان تفصیلات کی زحمت دینا نہیں چاہتے ؛

سیاہ فام قومیں اپنے بادشاہ کی انتہا درجہ اطاعت کرتے ہیں قسم کھاتے ہیں تو بادشاہ کی ، اگر دربار شاہی میں کسی کی طلبی ہو تو میلے اور بوسیدہ کپڑے پہن کر حاضر ہوتا بڑے ہی عجز و انکسار کے ساتھ سامنے آتا ، کہنیوں کو زمین سے مار کر سر جھکائے کھڑا ہوتا بادشاہ کے ہر ارشاد پر کمانیں (بلا تیر کے) زہ کی جاتیں اگر کسی کی خدمت گذاری پسند کی جاتی تو وہ شخص اپنے سر اور پیٹھ پر مٹی ڈال لیتا اخلاق حمیدہ اور وفا شعاری سے ان اقوام کا مفہوم کامل فروتنی اور خاکساری ہے ۔ ابن جزی یہاں اپنی طرف سے بیان کرتا ہے کہ جب حاجی موسیٰ الونجراتی سلطان مراکش ابوالحسن مرحوم کے دربار میں "منسا سلیمان " کے سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوا تو اس کے ایک ملازم کے ساتھ مٹی سے بھرا ہوا ایک ٹوکرا تھا جب کبھی ابوالحسن اس سے کوئی اچھی بات کہتا تو سفیر فوراً ٹوکرے سے مٹی لے کر اپنے سر پر ڈال لیتا تھا ۔

ابن بطوطہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے زمانہ میں مالی ہی میں تھا ۔ وہاں کے عید کے درباری رسم و رواج بھی تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے (سیاہ اقوام میں

جو کچھ بھی تہذیب اور تمدن رواج پایا وہ اسلام ہی کا عطیہ ہے۔ اس کے باوجود زمانۂ جاہلیت کی بعض رسمیں اور عادتیں ان میں باقی رہ گئی ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے۔ کہتا ہے کہ رعایا منسا سلیمان کو اس کے بخل کی وجہ سے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس سے پہلے منسا مغا سلطان تھا جو منسا موسیٰ کا جانشین ہوا۔ آخرالذکر بڑا فیاض اور صالح حکمران تھا، غیر فام اقوام سے اس کو بڑی انسیت تھی۔ اسنے ابواسحاق الساحلی کو ایک دن چار ہزار مثقال زر دیئے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ایک دن اس نے مدرک ابن فقوس کو تین ہزار مثقال عطا کئے جس کے دادا نے بادشاہ کے دادا صارق جاتا کو مسلمان بنایا تھا۔

ان اقوام میں بعض غیر معمولی خوبیاں بھی ہیں، وہ ظلم وستم کے کبھی روادار نہیں ہوئے، عدل وانصاف کی وجہ سے چوری نام کو نہیں ہوتی، سفید فام کوئی آدمی ان کے ملک میں مرجائے تو اس کی جو بھی دولت ہو کسی حالت میں بھی غصب نہیں کی جاتی۔ صوم صلوٰۃ کے بڑے پابند ہوتے ہیں، ان کے بچے بھی مسجد میں نماز جمعہ میں شریک ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنا بوریئے کا مصلی ساتھ لاتا اور اسی پر نماز پڑھتا، اس دن نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہنتے ہیں۔ اکثر لوگوں کو تلاوت وحفظِ قرآن کا شوق ہے ان کے عیوب میں چند بہت قبیح ہیں انکی خدمت کرنے والی عورتیں کنیزیں اور جوان لڑکیاں مادر زاد ننگی پھرا کرتی تھیں، بادشاہ کے سامنے عورتیں بے پردہ حاضر ہوتی تھیں۔ اور لڑکیاں ننگی پیش ہوتیں۔ مردہ جانوروں کا گوشت گدھے اور کتے کا بھی کھانے کے عادی تھے،

ابن بطوطہ ۱۴ جمادی الاوّل ۷۵۳ھ (۲۸ جون ۱۳۵۲ء) کو مالی آیا اور ۲۲ محرم ۷۵۴ھ (۲۷ فروری ۱۳۵۳ء) کو وہاں سے ابوبکر بن یعقوب نامی ایک سوداگر کے ساتھ روانہ ہوا۔ گھوڑے کی قیمت سو مثقال تھی اس لئے اس نے اپنی سواری کے لئے اونٹ خرید لیا، چاندنی رات میں دریائے نائجر کی ایک نہر کو تین چار گھنٹہ بعد مغرب کشتیوں میں عبور کیا، دن کو مچھر بہت ستاتے تھے اس لئے رات ہی میں سفر کیا جاتا تھا یہاں اس نے سولہ دریائی گھوڑے (فرس البحر HIPPOPOTAMUS) دیکھے جو پانی میں اتر پڑے، یہاں انکی کثرت تھی، دریائے نیل میں بھی جانور موجود ہیں لوگ برچھیوں کو رسی باندھ کر ان پر پھینکتے پاؤں یا گردن میں برچھی چبھ جاتی تو اسی کے ذریعہ انکو خشکی پر کھینچ لے جاتے، یہاں کے باشندے انکا گوشت کھاتے تھے۔

مسافر قریب کے ایک بڑے گاؤں میں ٹھہر گئے جس کے نیک مزاج سیاہ فام حاکم کا نام حاجی فربا مغا تھا، اس نے سلطان منسا موسیٰ کے ساتھ حج کیا تھا جب موسیٰ یہاں آیا تو اس کے ساتھ ایک سفید فام قوم کا قاضی تھا، اس نے چار ہزار مثقال چرا کر بھاگنے کی کوشش کی، موسیٰ کو اطلاع ملی تو خفا ہو کر قاضی کو مردم خواروں کے علاقہ میں بھیج دیا رنگ کالا نہ ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کو کھانے کے قابل نہ سمجھا چار سال تک انتظار کیا، کہ شائد پختہ ہو کر اسکا رنگ کالا ہو جائے گا جب ایسا نہ ہوا تو اس کو واپس بھیج دیا۔

سلطان منسا سلیمان کے دربار میں ایک مرتبہ ان مردم خواروں کا ایک امیر کی ہمراہی میں وفد آیا تھا، ان کے کانوں میں آدھ بالشت چوڑی بالیاں پڑی تھیں، ہر ایک کے جسم پر ریشمی چادر تھی، سلطان نے ان کی بڑی خاطر داری کی۔

ایک سیاہ فام عورت کو ان کی خدمت کے لئے بھیجا، دربار سے واپس جاکر انھوں
عورت کو کھالیا، اور ہاتھوں اور منھ پر اس کا خون مل کر دربار میں شکریہ ادا کرنے
آئے، کہتے ہیں کہ عورت کے گوشت میں ان کے پاس سب سے زیادہ مزے دار حصہ
ہتھیلی اور چھاتی ہے۔ یہاں سے چل کر ابن بطوطہ اور اس کے ساتھی نہر کے بازو قری
منسا شہر میں پہنچے اس مقام پر ابن بطوطہ کی سواری کا اونٹ مرگیا، اس کو دیکھنے
گئے تک کالے آدمیوں نے اسے کھا کر ختم کر دیا۔ ناغری سے دوسرا اونٹ منگوا کر
"تُمبا" کے شہر کے باہر باولیوں کے قریب اتر پڑا، اکثر باشندے مستوفہ قبیلہ بربر سے
تھے اور منھ پر ڈھاٹا باندھتے تھے جیسا کہ ملثموں کی عادت تھی، اس جگہ الواسحاق
الساحلی غرناطی کا مزار ہے اس کے وطن میں اس کا لقب توبجن تھا،

تمبکتو سے ابن بطوطہ ایک ہی لمبے موٹے شہتیر کو کھود کر بنائی ہوئی کشتی
(CANOE) میں بیٹھ کر دریائے ناتجر کے بہاؤ کے راستہ سے چلا، راتوں کو خشکی پر
ٹھہر جاتا تھا اور نمک مسالہ اور شیشہ کے منکے دے کر گاؤں والوں سے گوشت
اور مسکہ خریدتا، ایک مقام پر پہنچا جس کا نام بھول گیا۔ لیکن اس کا حاکم
حاجی فربا سلیمان نہایت اچھا آدمی تھا، ایسا طویل القامت کہ کوئی سیاہ فام
شخص اس کے قد کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ قوی ایسا کہ کوئی اس کی کمان کو خم نہ
کرسکتا تھا۔ ایک نوعمر لڑکا ابن بطوطہ کو بطور تحفہ دیا۔ مہمان نوازی میں اپنی لڑکی
کی وفات کو بھی خیال نہیں کیا۔ لڑکا مراکش میں بھی ابن بطوطہ کی ملازمت میں رہا
پھر وہ گاؤ گاڈ گیا، جو سیاہ اقوام کے سب سے بڑے اور اچھے شہروں میں سے
تھا، وہاں کا عنابی نام کا کھیرا مزے میں لاثانی تھا، اس جگہ کوڑیوں کے ذریعہ

خرید و فروخت ہوتی تھی، مالی میں بھی یہی طریقہ رائج تھا،

(افریقہ کی ابتدائی سیاہ قومی سلطنتوں کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے،
سب سے پہلی سوڈانی سلطنت "غانہ" کی تھی، یہ دراصل بعد کے سوننکے
(SONINKE) حکمرانوں کا لقب تھا، چوتھی صدی عیسوی کے قریب ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ باہر سے آئے ہوئے سفید فام لوگوں نے یہ سلطنت قائم کی، پایۂ تخت
کا مقام بدلتا رہا، نویں سے گیارہویں صدی تک کمبی (KUMBI) کے سوننکے
"غانہ" کی سلطنت کے مالک بن بیٹھے ۱۰۷۶ء میں مراکش کے المرابطین نے اس کو
میٹ دیا۔ اس کے زوال پر متعدد چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، ان میں سے سوننکے
خاندان نے سوسو (SOSSO) کو اپنا دارالحکومت بنایا ۱۲۰۳ء میں غانہ پر
دوبارہ تسلط حاصل کر کے سوننکے کی سلطنت کو دوبارہ قائم کیا، یہاں کی
مسلم آبادی کفار کے اس تسلط سے انحراف کر کے ولادتہ کے پانی کے مقام
"بیرو" (BIRU) پر قبضہ کیا، فاتح سردار سومنگورو (SUMAN GURU) ملنکے
کی قوم سے لڑائی میں ۱۲۳۵ء مارا گیا۔ ان کے بادشاہ "سنجاتا" یا "ماری جاتا"
(MARI JATA) نے سوننکے کی سلطنت کو اپنے حیطۂ اقتدار میں شامل کر لیا۔ بعد کو مشرف
باسلام ہوا اور اپنا دارالحکومت "مالی" میں قائم کیا۔ اس نے ۱۲۴۰ء میں غانہ کو
فتح کر کے برباد کر دیا۔ کئی بادشاہوں کی تخت نشینی کے بعد موسیٰ (جس کا ابن بطوطہ
نے موسیٰ منسا کے نام سے ذکر کیا ہے) کے دور حکومت (۱۳۰۷ء تا ۱۳۳۲ء)
میں مالی کی سلطنت معراج کمال کو پہنچی، موسیٰ "سنجاتا" کی بہن کا نواسہ تھا،
اس کے بیٹے اور جانشین "منسا مغان" (۱۳۳۲ء تا ۱۳۳۶ء) کے عہد سلطنت میں

حکومت کو عارضی رجعت ہوئی لیکن موسیٰ کے بھائی منسا سلیمان (۱۳۳۶ء تا ۱۳۵۹ء) کے عہد میں مالی کی سلطنت پھر زور پکڑ گئی۔ اس کے مرجانے پر خانہ جنگیاں شروع ہوئیں لیکن نائجر پر اس کا تسلط ۱۶۷۰ء تک قائم رہا۔ اس کے بعد وہ ختم ہو گئی۔

منسا موسیٰ نے گاؤ گاؤ کی فتح (۱۳۲۵ء) کے بعد ٹمبکٹو پر قبضہ کر لیا ۱۳۳۳ء میں ہنگا کی موسی (MOSSI) قوم نے اس شہر کو لوٹا اور جلا دیا لیکن منسا سلیمان نے اس کی از سر نو تعمیر کی۔ حج کے موقع پر شاعر الساحلی سے اس کی مکہ میں ملاقات ہوئی۔ اس کو سوڈان چلنے کے لئے راضی کیا، الساحلی نے "گاؤ گاؤ" اور "ٹمبکٹو" کی مسجدیں تعمیر کرائیں آخرالذکر شہر میں ۱۳۴۶ء میں اس کی وفات واقع ہوئی۔

گاؤ گاؤ نہ صرف مغربی شاہراہ نمک اور شمالی مشرقی وسط صحارائی راستہ کے ملاپ کا اہم ترین تجارتی مقام تھا بلکہ اقلیم افریقہ کے آر پار جانے کا بھی تجارتی راستہ تھا، گیارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں وہ "سونگھائے" (SONGHAY) کی سلطنت کا دارالحکومت بن گیا جب کہ اس کا بربر نژاد پہلا سلطان مشرف باسلام ہوا۔ منسا موسیٰ نے اس سلطنت کو ۱۳۲۵ء میں مالی کی سلطنت میں شامل کر لیا لیکن سونی کے لقب سے (SONN) یہ خاندان پھر بر سر اقتدار آ گیا۔ اگرچہ برائے نام مالی کا ماتحت متصور ہوتا تھا ۱۴۶۵ء سے ۱۴۹۲ء تک اصل بربر نژاد سونی علی کی حکومت رہی اس کے بعد سوننی سپہ سالار محمد (۱۴۹۲ء تا ۱۵۲۹ء) نے اسکیہ خاندان کی بنیاد قائم کی اور اس کو بہت فروغ دیا۔ بالآخر مراکش کی فوج نے گاؤ گاؤ اور ٹمبکٹو

کو ۱۵۹۱ء میں فتح کر لیا۔)

ابن بطوطہ گاؤ گاؤ میں تقریباً ایک مہینہ رہا، خشکی کی راہ سے "تعدّا" کی طرف چلا۔ "عذامس" کے سوداگروں کے ایک بڑے کارواں کے ساتھ چلا۔ ان کا قائد حاجی "دوجین" تھا۔ ان کی زبان میں اس لفظ کے معنے بھیڑیئے کے تھے، راستے میں ابن بطوطہ کے بار برداری کی اونٹنی مرگئی۔ قائد نے اس کا سامان دوسرے مسافروں کی سواری کے جانوروں پر تقسیم کر دیا۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایک مغربی نے جو "تادلا" کا تھا اپنے ذمہ عائد کردہ اس خفیف کام کا بار اٹھانا نہیں چاہا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے ابن بطوطہ کے ملازم لڑکے کو پیاس بجھانے کے لئے ایک مرتبہ پانی نہیں دیا۔

کارواں اب بروابا کی قوم کے ملک میں داخل ہوا جو بربر نژاد تھی، بغیر ان کی محافظت کے وعدے کے کوئی شخص ان کے ملک میں سفر نہیں کر سکتا تھا، عورت کا وعدہ مرد کے وعدہ سے زیادہ واثق سمجھا جاتا تھا، یہاں کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی تھیں، ان کا جسم بہت سڈول تھا اور رنگ گورا۔ خوب چاق و توانا۔ گرمی شدت کی تھی، ابن بطوطہ نے باوجود صفرے کی شکایت کے سفر جاری رکھا، کارواں جلد از جلد سفر کر کے تعدّا پہنچا۔ شہر کے مکان سرخ پتھر کے بنے تھے پانی تانبے کی کانوں میں سے ہو کر بہتا تھا۔ باشندوں کا پیشہ صرف تجارت تھی۔ زراعت میں کچھ گیہوں کی کاشت ہوتی تھی، وہ مصر سے ہر سال ضرورت کا سامان از قسم پارچہ وغیرہ لاتے تھے اور بہت مرفہ الحال تھے، مالی اور ابوالاتن کے لوگ بھی یہی کام کرتے تھے، [اس زمانہ میں "تعدّا"، تواراغ (TUAR G) کے ملک کا سب سے بڑا شہر

تھا، اس کا بربر سلطان برائے نام مالی کا تابع تھا، اور مستوفہ یعنی سنہاجہ قبیلہ کا سردار تھا، بقول "بارت" (BARTH) اگادس (AGADES) سے ۹۷ میل پر واقع تھا، تانبے کی کانوں کے متعلق بعض شارحین کو اختلاف ہے، لفظ تجدّلکے معنے پانی جمع ہونے کا گڑھا ہے۔ العمری تانبے کی کانوں کی توثیق کرتا ہے۔

ابن بطوطہ تانبے کی برآمدگی اور اس کی سلاخوں کی تیاری اور تجارت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ کہتا ہے سلاخیں "کوبر" کے شہر اور کفار کے ملک میں زغائے (ZAGHAY) کو اور "برنو" کے ملک کو (جو تغدّا سے چالیس دن کا راستہ تھا) بھیجی جاتی تھیں۔ "برنو" کے باشندے مسلمان تھے، ان کا سلطان اپنی رعایا کو اپنا چہرا نہیں دکھاتا تھا، پردے کے پیچھے سے ان سے گفتگو کرتا تھا، اس ملک سے بہت اچھی کنیزیں خواجہ سرا اور زعفرانی رنگ کے کپڑے برآمد ہوتے تھے۔

تانبا جو خو وغیرہ کو بھی جاتا تھا۔ سلطان ایک دن کی راہ پر تھا، ابن بطوطہ اس کی ملاقات کو گیا، تو گھوڑے پر بغیر زین کے سوار ہو کر ملنے آیا۔ اس کے سفر کے حالات سن کر اس کو اپنی محافظ فوج بناتون کے ایک خیمہ میں اتارا۔ قریب میں سلطان کی ماں اور بہن کے خیمے تھے۔ وہ اس کے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آئی۔ چھ دن اس کا یہاں قیام رہا۔ صبح و شام ایک تلا ہوا بکرا ملتا تھا۔ اور تازہ دودھ۔ رخصت ہوتے وقت سلطان نے اس کو ایک اونٹنی اور دس مثقال سونا عطا کیا، یہ شکریہ ادا کر کے "تغدّا" واپس ہوا۔ اس کے کچھ ہی بعد مرینی سلطان مراکش ابو عنان نے قاصد بھیج کر اس کو وطن واپس بلایا وہ اپنے ساتھ اونٹ اور ستر دن کا توشہ اور سازوسامان لے کر "تواٹ" (TAWAT)

کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں سوائے گوشت اور مسکہ کے کچھ نہیں ملتا تھا جس کے خریدنے کے لئے پارچہ دینا پڑتا تھا، اناج کی قسم سے کوئی چیز دستیاب نہیں ہوتی تھی،

دو شنبہ ۱۱ شعبان ۷۵۴ھ (۱۱ ستمبر ۱۳۵۳ء) کو تغزا سے روانہ ہو کارواں کے ساتھ چھ سو کنیزیں بھی تھیں۔ کاہسر میں چارہ افراط سے ملتا تھا۔ اس کے بعد تین دن کا راستہ بے آب و دانہ طے کرنا پڑا۔ پھر پندرہ دن ایک صحرا میں گذارا جو بالکل غیر آباد تھا لیکن وہاں پانی مل جاتا تھا۔ اس مقام سے غات (GHAT) کا راستہ شروع ہوتا تھا، جو مصر جاتا تھا۔ زیر زمین پانی استعمال کیا جاتا تھا لیکن لوہے پر سے بہنے کی وجہ سے اس میں سفید کپڑا دھوتے ہی کالا پڑ جاتا تھا۔

یہاں سے چلنے کے دس دن بعد کارواں ہغار (HAGGAR) کے ملک میں پہنچا۔ جو بربر کی ایک قوم سے تھے اور ملثمون کی طرح منھ پر ڈھاٹا باندھتے تھے، کہتا ہے کہ یہ لوگ بڑے شریر تھے، وہاں کارواں ماہ رمضان میں پہنچا اس لئے بموجب روایات قدیم اس مہینہ میں انھوں نے کارواںیوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا۔ ان کی عادت تھی کہ اس مبارک مہینہ میں اگر راستہ میں کسی کا مال و اسباب گرا پڑا بھی دیکھتے تو اس کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ بربر قوموں کا سب جگہ اس مہینہ میں یہی طرز عمل تھا

کارواں پھر شہر بودا (BUDA) میں داخل ہوا، یہاں ریت اور نمک کی دلدل کے سوا کچھ نہ تھا، چند کھجور کے درخت تھے۔ لیکن پھل بدمزہ تھا، اگرچہ وہاں کے باشندے

اس کو سجلماسہ کے خرما سے افضل تصور کرتے تھے۔ باشندگان ملک کی غذا خرما اور ٹڈے تھی۔ ٹڈے صبح کے وقت پکڑے جاتے تھے۔ جب کہ سردی کی وجہ سے وہ اڑ نہیں سکتے تھے، اور کھجور کی طرح خشک کر کے کھانے کے لئے جمع کئے جاتے تھے، بودا میں کچھ دن ٹھہر کر ایک کاروان کے ساتھ وسط ذوالقعدہ میں سجلماسہ پہنچے، ۲ ذی الحجہ (۲۹ دسمبر) کو جب ابن بطوطہ یہاں سے نکلا تو تمام جنیبہ کے راستے میں انتہا درجہ سردی محسوس ہوئی۔ برف باری ایسی تھی کہ سمرقند و بخارا اور ترکوں کی سرزمین میں بھی اس نے ایسی نہیں دیکھی تھی۔ عید سے ایک دن پہلے دارالتمع میں داخل ہوا۔ وہاں عید کی نماز پڑھ کر "فاس" دارالخلافہ سلطان ابوعنان کی طرف چلا۔ شہر پہنچنے کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اس کے سایۂ عاطفت میں سکونت اختیار کی۔

(کاہر کا اصلی نام (آیر (AIR) ہے ہگار" یا "ہجار" اب "اہگار" کہلاتا ہے۔ "بودا" وادی "توات" میں ۲۸ درجہ شمالی عرض بلد اور ۳۰ء۰ مشرقی طول بلد کا شہر ہے۔ مراکش کے باشندے بھی عربوں وغیرہ کی طرح ٹڈے کھاتے ہیں۔)

ابن جزی سفرنامہ کو ختم کر کے کہتا ہے کہ شیخ ابوعبید اللہ ابن بطوطہ کو اگر دنیائے اسلام کے تمام سیاحوں کا سب سے بڑا سیاح

کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ مسلم یا غیر مسلم سیّاحوں میں جو محض اپنے شوق ملک بینی کی خاطر بغیر کسی سیاسی ریشہ دوانیوں کی امداد کے دُنیا کے مختلف ممالک و اقوام کا اس طرح بغور مطالعہ کیا۔ اور صحیح حال بیان کیا مشکل ہی سے کوئی دوسرا شخص اس پایہ کا بتایا جاسکتا ہے۔